الحق
نشاۃ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ
سرپرست
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ
مدیر
سمیع الحق

پاکستان کی اقتصادی ترقی میں
قدم بہ قدم شریک

آدمجی پیپر اینڈ بورڈ مِلز لمیٹڈ

آدمجی ہاؤس۔ پی۔او بکس ۴۳۳۲ ۔ آئی۔آئی چندریگر روڈ۔ کراچی ۲

ORIENT PROCESS. LHR

NATIONAL 45 H

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر رہائش ـــ ۲

فون نمبر دار العلوم ـــ ۴

مدیر: سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک
پاکستان میں سالانہ /۱۵ روپے ۔ فی پرچہ ایک روپیہ ۵۰ پیسے
بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

ربیع الاول / ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ
مارچ ۱۹۷۸ء

جلد نمبر: ۱۳
شمارہ نمبر: ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
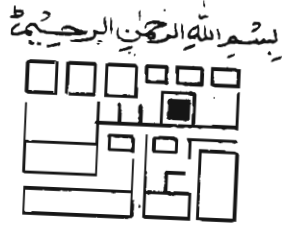
تو مت کہ قانونِ مکافاتِ عمل تھا
لے دیکھ تیرا عرصۂ محشر بھی یہیں ہے

بالآخر لاہور ہائیکورٹ کے ایک فل بنچ نے نواب محمد احمد خان مرحوم کے مقدمہ قتل میں سابق وزیر اعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور قتل میں شریک چار دوسرے ملزموں کو سزائے موت کا حکم سنا دیا۔ پچھلے سال مارچ کے یہی ایام تھے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے سامنے کسی کی چلتی نہ تھی، اسکے ایک چشم و ابرو کے اشارے سے پاکستان کی گلیاں خونِ ناحق سے لالہ زار بنی ہوئی تھیں، ہر شخص لرزاں و ترساں، قید خانے و زنداں مظلوم و مقہور انسانوں پر تنگ ہو گئے تھے، کتنے اہل اللہ اور صاحب دل پراگندہ حال مقربین بارگاہ الٰہی تھے جن کے آہِ سحری اور نالہ ہائے نیم شب نے عرش بریں کو ہلاکر رکھ دیا اور وہ جو اپنی کرسی کو مظہر قدرت سمجھ بیٹھا تھا۔ مارچ کے انہی ایام میں فطرۃ اللہ کا ظہور ہوا۔ اور آج تختِ شاہی پر متمکن وہ مغرور انسان دار و رسن کے لمحات سے گذر رہا ہے۔ سیاسی امور سے قطع نظر خالص مومنانہ نظر سے اگر اس واقع پر غور کیا جائے تو قوانین فطرت اور سنت کے کتنے ہی صدہا پہلو عبرت و موعظمت کا سامان بنے ہوتے ہیں دعوتِ فکر دے جائیں، العظمۃ للّٰہ ظلم مٹنے والی چیز ہے، باطل کو قرار نہیں حاکم حقیقی خدائے لم یزل ہیں، عظمت و کبریا اُسی کی سزاوار ہے۔ لمن الملک الیوم للّٰہ الواحد القہار۔ مظلوم انسانیت کی نجات کیلئے مظلوم اور بے کس رفقائے محمد عربی علیہ السلام پر ظلم و ستم ڈھانے والے نامور قریش ابوجہل و ابولعب جیسے مغرورین دنیا کے بارہ میں ارشاد ہوا: حتّٰی اذا اخذنا مترفیھم بالعذاب اذاھم یجئرون لا تجئروا الیوم انکم منّا لا تنصرون۔ (یہاں تک کہ ہم جب پکڑ لیں گے ان کے سرغنہ آسودہ حالوں کو آفت میں تب وہ چیخیں گے چلائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ اب چیخنے چلانے سے کچھ نہیں بنے گا۔ اب ہماری گرفت سے چھوٹ نہیں سکتے۔) بیشک انّ بطش ربک لشدید۔ تمہارے رب کی گرفت بہت مضبوط ہوتی ہے۔ مجرم ذوالفقار علی بھٹو اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے اور عدالت عظمیٰ نے اپنے مبنی بر انصاف فیصلے سے عدل و انصاف کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا، اسلام کے قانونی اور تعزیراتی پہلو میں مساوات کا یہی تصور تھا جس نے ہر قسم کے امتیازات اور خصوصی رعایات کو ختم کرکے رکھ دیا تھا صادق و مصدوق علیہ السلام نے فرمایا: اقیموا حدود اللہ علی القریب والبعید ولا تاخذکم بھا رافۃ فی دین اللہ۔ اپنے اور پرائے حاکم و محکوم راعی اور رعیت ذی سلطنت اور ایک فقیر بے نوا اسلام کے قوانین عدل و انصاف کی نگاہ میں برابر ہیں ایسا نہ ہو تو ظلم کو روکنے والا کوئی نہ رہے اور خدائے بزرگ و برتر کی دنیا ظلم و بربریت سے بھر جائے۔ یہی راہ نجات ہے اور اسی میں قوموں کی زندگی ہے۔ ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب۔ اے لوگو قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔

لاہور کے ہفت روزہ اسلامی جمہوریہ نے ایک ہندو راوی کی یادداشتوں کی آڑ لیکر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم پر شراب نوشی جیسے شنیع اور غلیظ الزام کو ملک بھر میں اچھالا تو بجا طور پر پاکستان کے دینی اور علمی حلقے اس گستاخانہ جسارت پر تڑپ اٹھے، مولانا آزادؒ کیا تھے؟ ہند میں اسلام کی عظمت رفتہ کے امین، اسلامیان ہند کے نشاۃ ثانیہ کے منادی، مذہب اسلام کے تابندہ نقوش اور سنہری روایات کے علمبردار، دشمن اسلام برطانوی سامراج کے دشمن عمر ایک، اسلامی علوم و فنون کے ترجمان کتاب اللہ کے شارح، دعوت و عزیمت کے پیکر حسین، جہاد و استقامت کے کوہ گراں، یہ سب کچھ انگریز کے ان ترلہ خواروں کیلئے ناقابل تسلیم تھا اور ہے۔ جن کی ساری رونقیں انگریز کے دم خم سے قائم تھیں۔ اس سب کچھ کے باوجود مولانا آزادؒ انسان تھے فرشتہ نہ تھے لیکن اگر فرشتہ بھی ہوتے تو انگریز کے کاسہ لیسوں کی نگاہ میں ایسے فرشتوں کا یہ جرم بھی ناقابل معافی ہوتا جن کا ارتکاب وہ عمر بھر ایک کافر سامراج سے جہاد مسلسل کی شکل میں کر رہے تھے۔ پھر فطرۃ اللہ کے مطابق یہ حضرات اپنا وقت پورا کر کے وفات پا چکے۔ تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت الآیۃ۔ مگر اسلامی جمہوریہ جیسے پرچوں کے ارباب قلم اب تک انہیں بخشتے نہیں ان کا شیوہ ہے کہ کوئی ہنگامہ قائم رہے جس سے اُن کی دکان صحافت چلتی رہے خاموش تالابوں اور جزیروں میں پتھر پھینکنا ان کا پیشہ ہے بزرگوں کی پگڑیوں کے اچھالنے سے ان کے پیٹ کا بازار گرم رہتا ہے۔ غیروں کا دامن ہاتھ نہ آئے تو اپنے ہی گریبان کو تار تار کیا جائے حق و صداقت پامال ہو جھوٹ کا شہرہ ہو جائے مگر انہیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ؎

واحیاناً علی بکر اخینا اذا ما لم نجد الا اخانا

وہ لوگ جن کی عظمت کردار کا دشمن کو بھی اعتراف رہا۔ مگر ایک خاص ذہن کے حامل گروہ کا خبث باطن ہے جو ہر لحظہ محبت والفت اتحاد و یگانگت اور قرب و ربط کی بجائے نفرت و عداوت تفریق و انتشار اور بعد و منافرت کے راستوں پر ملت کو ڈھالنا وقت کی خدمت سمجھتا ہے۔ "اسلامی جمہوریہ" کی سیاہ باطنیوں کا مجھے ذاتی طور پر یہ قطعی مصدقہ "شاہکار" معلوم ہے کہ اُس کے مدیر شہیر نے اپنے ادارہ کے ایک نامور اور پایہ کے خوشنویس کو محض اس جرم میں برطرف ہو جانے پر مجبور کیا تھا کہ وہ ان کے مضمون میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے نام پر رحمۃ اللہ علیہ کا نشان (رح) کیوں لگاتا تھا۔ اس کے نزدیک ابوالکلام تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ مگر کاش انہیں معلوم ہو تا کہ تاریخ بڑی بے درد ہے اسکا فیصلہ یہی ہے کہ جو خاصان حق اور مقربین بارگاہ ایزدی کے ناموں کے ساتھ رحمت کا نشان بھی گوارا نہ کر سکے اس سے بڑھ کر ملعون اللہ کی اس دھرتی پر اور کوئی نہیں ہو سکتا، جلد یا بدیر ایسے کور بختوں پر اپنی ازلی شقاوت منکشف ہو جاتی ہے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

"اسلامی جمہوریہ" کے ہمنواؤں میں مؤقر جریدہ نوائے وقت بھی ہے جو اسلامیانِ برصغیر کے اکابر علم و فضل پر کسی بھی مناسبت یا غیر مناسبت کے باوجود کیچڑ اچھالنے سے دریغ نہیں کرتا ان دنوں اپنے صفحات پر "قومیت اور اسلام" کے مباحث پھر اُس ضمن میں اللہ کے برگزیدہ ولی اور اسلامیانِ عالم کے کروڑوں علماء و صالحین کے دلوں کی دھڑکن مولانا سید حسین احمد مدنیؒ پر تنقید و تشنیع کا بازار گرم کرنا معلوم نہیں وقت کی کونسی مصلحت ہے۔ یہ بے وقت کی راگنی بار بار اسی لئے تو نہیں چھیڑی جاتی کہ مسلمانانِ پاکستان کبھی بھی ماضی کی تلخیوں کو نہ بھولنے پائیں اور یگانگت و الفت کی راہیں مسدود سے مسدود ہوتی رہیں۔ سیاسی اختلافات وقت کیساتھ ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ کون حق پر تھا، کون غلط اس کا فیصلہ تاریخ پر چھوڑ دیجئے اور تاریخ کے فیصلوں پر نگاہ بھی رکھیئے اور پھر اُسے تسلیم بھی کرتے رہیئے ہم اپنی ساری قوت زخموں کے بخیئے ادھیڑنے پر ہی صرف کرتے رہیں تو پیش رفت کیسی ہو سکتی ہے۔

اس میدان میں علامہ اقبال مرحوم کے بعض نام نہاد نام لیواؤں کا رویہ بھی نہایت افسوسناک ہے جو لوگ اقبال مرحوم کی آڑ میں حضرت مدنیؒ کے دامنِ تقدس کو کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں یہ ان کی بڑی بھول اور حماقت ہے۔ حضرت مدنیؒ کے کفش برداروں کو علامہ اقبال سے سند لینے کی ضرورت کب پیش آئی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں سے جو لوگ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کیطرف ذہناً مائل بھی ہو جاتے ہیں۔ اقبال کے "اقبالی مجرم" کسی خاص مقصد و سازش سے ان حلقوں کو اقبال سے دور پھینک دیتے ہیں برصغیر کے علمی و دینی حلقوں کو اقبال مرحوم سے دور رکھنے میں ان لوگوں کا خاص ہاتھ ہے جو مدتوں پہلے کہے گئے چند گھسے پٹے اشعار کے تیروں سے علمی و دینی طبقوں کے جگر ہی مقتداؤں کو چھلنی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اکابر جو علم و عمل، تقویٰ و خشیت، اخلاص و للہیت، جہاد و عزیمت، ایثار و شرافت اور کردار کی ساری عظمتوں کے معراج پر فائز ہیں، سب و شتم کے یہ تیر ان تک رسائی کیا پائیں گے، الٹا ان کے چہروں کے مسخ میں اضافہ کا باعث بن جاتے ہیں۔

کاش! ہمارے ملک کے اربابِ بصیرت دانشور اور اصحابِ دانش اہل قلم اور اہل علم اس صورتحال کی اصلاح کیطرف کچھ توجہ کر سکیں اور مسلمانوں کے قابل فخر اسلاف اور اکابر کی عظمتوں سے کھیلنے کا یہ مذموم کھیل ختم کرایا جا سکے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق
۱۹ مارچ ۱۹۷۸ء

ماہنامہ الحق کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف سے مبارکباد

از بریگیڈیر سید نصیر الدین
ڈائریکٹر آرمی ایجوکیشن
جنرل ہیڈ کوارٹرز۔ راولپنڈی
۲۹ ستمبر ۱۹۷۶ء

مکرمی سمیع الحق صاحب!

السلام علیکم۔

جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب چیف آف آرمی سٹاف نے مجھے ہدایت کی ہے۔ کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں کہ آپ نے ماہنامہ الحق کا ستمبر کا شمارہ ان کے مطالعے کیلئے ارسال کیا ہے۔

ماہنامے میں اہم موضوعات پر پُر از معلومات مضامین ہیں۔ جن سے پڑھنے والا بہت استفادہ کرتا ہے۔ آپ دین کی خدمت میں اپنی کوششوں کے لئے مبارکباد قبول کیجئے۔

والسلام

نصیر الدین

دارالعلوم حقانیہ

کی

زیرِ تعمیر لائبریری

عظیم الشان صدقۂ جاریہ میں حصہ لیجئے

★

پچھلے سال ہم نے دارالعلوم حقانیہ کے شایانِ شان کتب خانہ کی مستقل عمارت کی ضرورت کیطرف اہلِ خیر اور صاحبِ درد مسلمانوں کو توجہ دلائی تھی، اور یہ کہ یہ عمارت دارالعلوم حقانیہ جیسے عظیم علمی مرکز کی تمام تحقیقی اور مطالعاتی ضروریات کے پیشِ نظر جدید طرز پر تعمیر ہونی چاہیئے، اس کے ساتھ دارالتصنیف، دارالافتاء، مؤتمر المصنفین، ماہنامہ الحق کے نئے دفاتر کا بھی ذکر کیا تھا۔ یہ سارا کام جو کئی لاکھ کے مصارف سے تکمیل پذیر ہوگا بحمداللہ اس کا ایک حصہ مکمل ہوچکا ہے، اب عمارت کا اصل حصہ (کتب خانہ کی تعمیر) کا کام باقی ہے جو قلمی، مطبوعہ، درسی اور غیر درسی کتابوں اور دارالمطالعہ کے الگ الگ حصص پر مشتمل ہوگا۔ سرِ دست توکلاً علی اللہ لائبریری کی تعمیر کا کام شروع کردیا گیا ہے، اور اس وقت زیرِ تعمیر منصوبہ پر دو لاکھ مصارف کا تخمینہ ہے۔ دارالعلوم کا سرمایہ محض اللہ پر توکل اور دینی درد سے بہرہ ور اہلِ خیر مسلمانوں کا جذبۂ تعاون ہے۔ اس اعتماد پر ہم تمام دردمند مسلمانوں کے جذبۂ اشاعتِ دین اور علم پروری کی بناء پر ملتمس ہیں کہ علمی زوال وانحطاط کے اس دور میں اس عظیم الشان کتب خانہ کی تعمیر میں حتی المقدور اور جلد از جلد دستِ تعاون بڑھائیں اور اپنے لئے صدقۂ جاریہ کا سامان پیدا کریں۔ اگر چند ہی مخلص حضرات اس تعمیری مد میں امداد فرمادیں تو یہ منصوبہ اسی سال انشاء اللہ تکمیل پذیر ہوسکے گا۔

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ——— اس سلسلہ میں بھیجی جانے والی رقومات کے ساتھ "برائے تعمیر کتب خانہ" کی وضاحت ہونی چاہیئے۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور، پاکستان

دارالعلوم حقانیہ کی زیر تعمیر عظیم الشان لائبریری
جو اہل خیر کی فوری توجہ اور تعاون کی مستحق ہے

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی ساہیوال سرگودہا
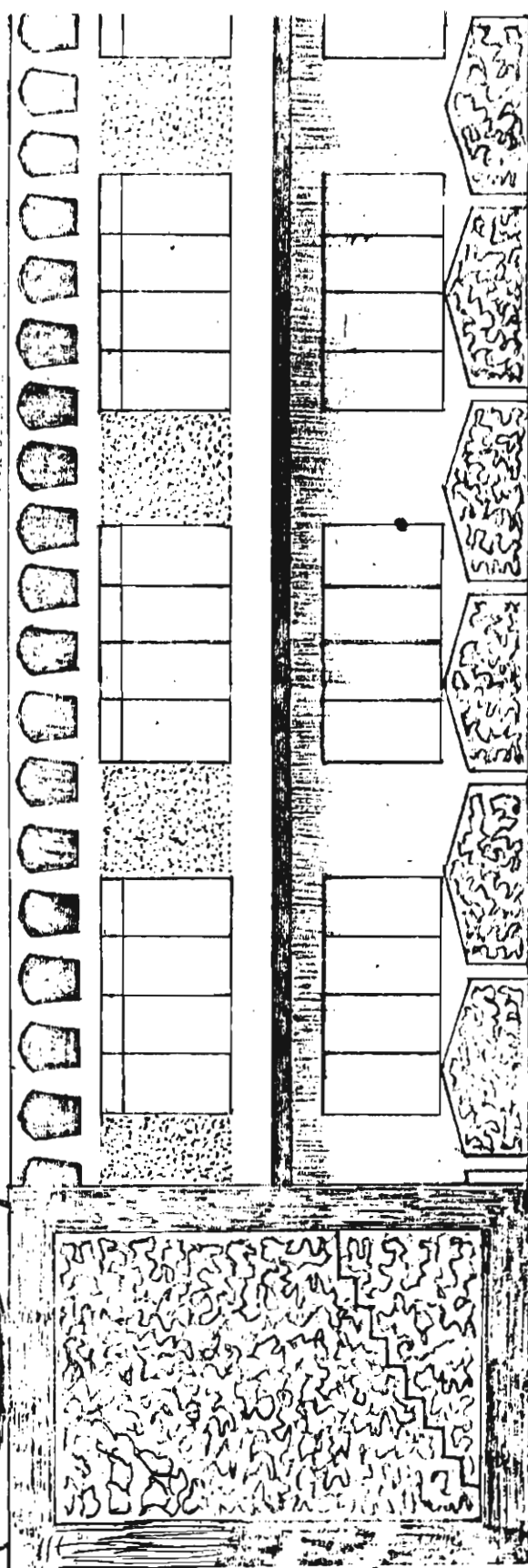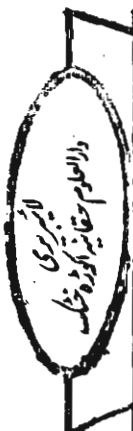
دینی مدارس اور ان کے نصابِ تعلیم میں تبدیلی کا مسئلہ

اہل علم و نظر کیلئے لمحۂ فکریہ !

★

کیا عدلیہ بحالتِ موجودہ اسلامی قانون سازی کی صلاحیت رکھتی ہے ؟

جنرل ضیاء الحق صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اپنی ایک اہم پریس کانفرنس میں مدارس دینیہ کے نصاب میں تبدیلی کی خواہشات کا اظہار کیا ہے۔ پیش نظر مضمون میں اس موضوع پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ہم ملک کے دیگر ارباب فکر و نظر کو بھی اس اہم مسئلہ پر وقیع اور سنجیدہ خیالات پیش کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ "ادارہ"

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھ کر سہرا

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دینِ اسلام اور اسکی تمام تعلیمات کا منبع اور سرچشمہ قرآن مجید ہی ہے۔ مگر چونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور اسکی فصاحت و بلاغت بھی نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی ہے جس تک رسائی انسانی قوٹی کیلئے محال ہے۔ اس لئے قرآن مجید کی مراد کا بیان کرنا حسب ارشادِ ربانی : لتبین للناس ما نزل الیہم۔ (تاکہ آپ بیان کر دیں اسکو جو نازل کیا گیا ہے انکی طرف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرما دیا گیا۔ آپ کے بیان کے بغیر مراد خداوندی کا یقینی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قرآن فہمی اور مراد خداوندی پر اطلاع کے لئے حدیثِ رسول کی بھی ضرورت ہے۔ پھر چونکہ فقہ قرآن و حدیث سے حاصل شدہ مسائل کا نام ہے، محض تخیلاتِ انسانی اور ذاتی قیاس آرائی کا نام نہیں ہے۔ جیسا کہ غلط فہمی سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ اس لئے قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے لئے علم فقہ بھی ضروری ہوا۔ غرضیکہ قرآن مجید میں جس تفقہ

فی الدین (دین میں سمجھ پیدا کرنا) کو لیتفقہوا فی الدین - تاکہ وہ دین میں خوب سمجھ پیدا کریں - میں امت
پر فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زمانہ میں ایسے افراد امت میں ضرور موجود ہوں، جنکو تفقہ کا یہ
درجہ حاصل ہو۔ تفقہ کا درجہ ان مذکورہ تینوں علوم میں مہارت و حذاقت حاصل کئے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔
اس لئے امت پر فرض ہے کہ وہ ہر زمانہ میں اپنی قدرت و استطاعت کے مطابق تعلیم کا ایسا نظم قائم رکھے
جس سے ان تینوں علموں میں مہارت حاصل ہو کر تفقہ کا وہ درجہ حاصل ہو سکے جسکا باقی رکھنا امت پر فرض کفایہ
ہے۔ تعلیم کا ایسا انتظام کئے بغیر امت اس فرض کفایہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔

ہمارے دینی مدارس میں جو نصاب درس نظامی کے نام سے رائج ہے۔ اس میں اگرچہ تقریباً بیس[۲۰] علوم
فنون کی کم و بیش ،، کتابیں شامل ہیں۔ اور انکی تعلیم کو نہایت مفید و مناسب ترتیب کے ساتھ دس سالوں
پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ مگر ان میں بھی حدیث و تفسیر قرآن اور فقہ کی کتابیں ہی اصل مقصود ہیں اور باقی دوسرے
علوم و فنون کی کتابیں ان تینوں علموں کی معاون و مددگار ہیں۔ اگرچہ بعض کو سطحی نظر سے بعض کتابوں کا علوم
دینیہ سے تعلق ظاہر نہیں ہوتا۔ غور سے دیکھا جائے تو درس نظامی کی سب کتابوں کو ان علوم مقصودہ سے
کسی نہ کسی قسم کا تعلق حاصل ہے۔

اسلامی حکومت میں مدارس کا نصاب واضح رہے کہ اسلامی حکومت میں سب سے پہلا مدرسہ
مسجد نبوی کے اندر قائم ہوا۔ اس کا نصاب بھی قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم ہی تھا۔ قرآن کریم کی تعلیم سے
تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا جو تمام اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔ اصحاب صفہ کا حلقہ درس قائم ہوا جس میں
ایک شخص قرآن مجید پڑھتا تھا اور حلقہ کے دوسرے حاضرین اسے توجہ سے سنتے اور یاد کرتے تھے۔ خود
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت قرآن کے علاوہ تعلیم کتاب کے منصب پر فائز تھے جو الفاظ کے معانی اور
بیان احکام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حدیث و فقہ کی تعلیم تھی۔ جوں جوں اسلام کی اشاعت کا سلسلہ پھیلتا گیا
یہ سلسلہ تعلیم قرآن و سنت مع فقہ کے وسعت پکڑتا گیا، کیونکہ قرآن و سنت کی تعلیم کے معنیٰ ہی فقہ کی تعلیم ہے۔
اس لئے کہ فقہ ان احکام کا نام ہے جو قرآن و سنت سے اخذ کئے جاتے ہیں۔

تو اب قرآن و سنت کی تعلیم کا مطلب صرف قرآن و سنت کے الفاظ کی تعلیم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ
قرآن و سنت سے مسائل و احکام کا استنباط اور اخذ کرنا ہے۔ یہی فقہ کی تعلیم ہے۔ نہ معلوم فقہ کے نام
سے محض لوگوں کے اذہان کیوں اجنبیت محسوس کرنے لگے ہیں۔ غرضیکہ ہر جگہ عمال کے ساتھ مستقل معلمین
بھی بھیجے جانے لگے۔ جنہوں نے مفتوحہ علاقوں میں مکاتب جاری کر کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع
کر دیا جن میں صرف قرآن مجید اور حدیث و فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس دور میں مسجدیں تعلیم گاہوں کے طور پر

استعمال ہوتی تھیں۔ مفتوحہ علاقوں میں جہاں کہیں مدرسہ کی ضرورت پیدا ہوتی وہاں نئی مسجد بنا دی جاتی تھی۔ پانچویں صدی ہجری سے تعلیم کیلئے مسجدوں سے الگ مستقل عمارتیں بنائی گئیں۔ ان عمارتوں کے ساتھ اساتذہ اور طلبہ کے لئے اقامت گاہیں یعنی ہوسٹل بھی تعمیر کئے گئے۔ اہل علم کے لئے تنخواہیں اور طلبہ کیلئے وظائف کا تقرر ہوا۔ ان مصارف کے لئے بڑے بڑے اوقاف قائم کئے گئے۔

بہرحال مقصد یہ ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک دینی نصاب تعلیم کی یہ خصوصیت اپنی جگہ پر قائم چلی آرہی ہے کہ اس میں قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اور دوسرے علوم و فنون کو ان بنیادی علوم کے تابع بنا کر مبادی کے طور پر تعلیم دی جاتی تھی۔

ہندوستان میں مدارس کا قیام ہندوستان میں دینی مدرسہ کی سب سے پہلی عمارت تاریخ فرشتہ کی رو سے ناصر الدین قباچہ نے مولانا قطب الدین صاحب کاشانی کے لئے ملتان میں بنوائی تھی۔ جس میں پانچویں صدی ہجری کے آخر میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے تعلیم حاصل کی تھی۔ (از نبوی نظام تعلیم) اس کے بعد ہندوستان میں دینی مدارس کا یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ دینی مدارس کی کفالت کے لئے بڑی بڑی زمینیں وقف ہوتی تھیں۔ علاوہ ازیں حکومت وقت بھی ان کی کفالت کے لئے خصوصی انتظام کرتی تھی۔ اس لئے اس زمانہ میں چندہ کا موجودہ سسٹم رائج نہیں تھا۔ بالآخر سلطنت مغلیہ کے زوال سے ہمارا یہ صدیوں پرانا نظام تعلیم بھی برباد ہوگیا۔ سلطنت برطانیہ نے زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد قرآن و حدیث اور فقہ سے جاہل رکھنے کیلئے اپنا ایک نیا نصاب تعلیم ملک کو دیا جسکی ابتدا بلی کتے کی کہانیوں سے ہوتی تھی۔ جس سے طفلانہ دلچسپی کے سوا کوئی اخلاقی تعمیر سیرت کا فائدہ نہیں ہوا۔ البتہ انگریز نے جس نقطۂ نگاہ کے پیش نظر اس نصاب کو جاری کیا تھا، اس میں وہ کامیاب ہوگیا۔ کہ اکثر نوجوانوں کے دلوں سے احترام مذہب جاتا رہا۔ اور وہ اعلانیہ مذہب کے لغو اور بیکار ہونے کا اظہار کرنے لگے۔ مذہب سے بیگانگی اور لاتعلقی اس نصاب کا خاصہ لازمہ تھا۔ جو شخص اس سے بچا رہا وہ اپنی فطری صلاحیتوں اور زیادہ تر اپنے ماحول اور پرانے طرز تعلیم کے اثرات کیوجہ سے بچا رہا۔ علماء کرام نے جب یہ دیکھا کہ سرکاری مدارس کے نصاب تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کو مذہب اسلام سے بیگانہ اور برگشتہ کیا جارہا ہے۔ تو انہوں نے دین اسلام کی حفاظت کے لئے دار العلوم دیوبند کی بنیاد رکھکر اس میں وہی قدیم نصاب تعلیم رائج کر دیا۔ دیوبند کے ساتھ ہی دوسرے مختلف شہروں سہارنپور، مرادآباد وغیرہ میں بھی ایسی ہی دینی درسگاہیں قائم کی گئیں اور ان میں بھی یہی درس نظامی رائج کیا گیا جو اب تک پاک وہند کے دینی مدارس میں رائج چلا آرہا ہے۔ غرضیکہ یہ نصاب برس ہا برس سے دینی مدارس میں رائج اور عرصہ دراز سے تجربہ میں آرہا ہے۔ اس لئے اس نصاب کے بارہ میں بلاخوف تردید یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ دینی علوم

قرآن و حدیث اور فقہ و تفسیر کے اندر مہارت پیدا کرنے کیلئے یہ نصاب بے نظیر ہے۔ اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اس کا ثانی اور بدل دوسرا نصاب کوئی نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ صدی کے وہ تمام علماء اور صلحا جنہوں نے اس نصاب کے ذریعہ اپنی علمی تکمیل کی اور پھر تمام عمر اسی کی خدمت میں گزار دی اس نصاب کے کامیاب اور مفید ہونے کی وہ واقعاتی اور تجرباتی دلیل ہے جسکو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ پاک و ہند میں جس قدر علماء دین ہوتے ہیں جن کے علم و فضل پر سب کو اعتماد رہا ہے وہ کم و بیش اسی نصاب کے ذریعہ علم و فضل کے اس بلند مقام پر فائز ہوئے ہیں۔ ابھی قریب میں بھی اس نصاب سے استفادہ کرنے والوں میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ مولانا خلیل احمد سہارنپوری مولانا عبدالرحیم رائپوری حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ظفر احمد عثمانی۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی مولانا محمد یوسف بنوریؒ وغیرہ وغیرہ کے چند اسمائے گرامی نمونہ مشتے از خروارے کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں۔ متذکرہ علماء کرام کے معیاری علم و فضل کی نظیر نہ یہ کہ صرف پاک و ہند میں دستیاب نہیں ہو سکتی بلکہ پوری دنیائے اسلام میں بھی بہت ہی کمیاب ہے۔ اس درجہ کے علم و فضل کا حاصل ہونا اسی نصاب کا مرہون منت ہے جسکا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا ہے۔ اور جو صدیوں سے آزمایا ہوا اور تجربہ شدہ ہے۔ حلب شام کے مدارس العلمیہ کے مدیر الشیخ عبدالقادر نے ۱۳۴۵ھ میں جب ہندوستان کا دورہ کیا تھا۔ تو دیوبند اور سہارنپور بھی تشریف لاتے تھے۔ مظاہر علوم سہارنپور میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا کہ یہاں کے علماء میں جو استعداد اور قابلیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ ہمارے مدارس کے فاضل علماء میں نہیں ہوتی۔ اس لئے میں یہاں کا طرز تعلیم دیکھنے آیا ہوں۔ (از دینی مدارس)

عربی زبان میں لکھنا پڑھنا اور عربی دانی کیوجہ سے سطحی انداز میں بہت سی کتابوں کا مطالعہ کر لینا اور پڑھ لینا اور بات ہے، اور دقیق نظر سے عمق و گہرائی میں سے مطلب و حقیقت کا ادراک کر لینا بالکل دوسری چیز ہے۔ یہ بات اسی درس نظامی کی کتابوں کو محنت و تربیت کے ساتھ پڑھنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

(صدیوں کا تجربہ یہی بتلا رہا ہے اور دوسرے ممالک اسلامیہ کے علماء بھی دوسرے مروجہ نصابوں پر اس نصاب کی برتری کے قائل ہو چکے ہیں، اب اگر دینی مدارس میں یہی نصاب باقی اور زیر درس رہیگا تو اس سے امید کی جا سکتی ہے کہ زمانہ ماضی کیطرح کے ممتاز قابلیت کے علماء تیار ہوتے رہیں گے ورنہ استعداد علمی کے لحاظ سے جو حال دوسرے مدارس کے تعلیم یافتہ علماء کا مشاہدہ میں آرہا ہے۔ وہی حال ان دینی مدارس کے فضلاء کا بھی ہونے لگے گا۔)

ایک ایسے نصاب کے بارہ میں ترمیم و تبدیلی کا مشورہ نہ معلوم کس مقصد کے لئے دیا جارہا ہے جسکی افادیت و جامعیت کا عرصہ سے تجربہ ہوچکا ہے۔ اور دینی مقاصد کے حصول میں وہ نصاب بے حد و حساب مفید ثابت ہورہا ہے۔ ترمیم و تبدیلی کی ضرورت ایسی صورت میں تو قابل غور ہوسکتی تھی کہ اس موجودہ نصاب سے وہ مقاصد حاصل نہ ہوتے جن کے حصول کے لئے دینی مدارس کا قیام ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے سامنے ایسے مدارس عربیہ کی مثالیں موجود ہیں جن میں دینی مقاصد کے حصول کے ساتھ دنیوی مقاصد کے حصول کیلئے درس نظامی میں ترمیم کرکے زمانہ حاضرہ کی بعض ضروریات کی تحصیل کیلئے بعض نئے فنون کی کتابیں داخل نصاب کردی گئی ہیں۔ اس کا تجربہ مدرسہ عالیہ اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں بھی ہوچکا ہے۔ اور ندوۃ العلوم لکھنؤ کا تو قیام ہی دینی اور دنیوی مقاصد کی تحصیل کے لئے ہوا تھا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیوی مقاصد غالب آگئے اور دینی مقاصد مغلوب ہوکر رہ گئے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ایسے نصاب کے ذریعہ دینی علوم کے ماہر معیاری ایسے علماء تیار نہیں ہوسکے جسطرح سے درس نظامی سے تیار ہوتے رہے ہیں۔

پھر یہ نصاب کوئی وحی نہیں ہے کہ کسی صورت میں بھی اسکی تبدیلی نہ ہوسکتی ہو۔ یہ صرف ایک تجرباتی چیز ہے۔ اگر دینی مدارس کے اصل مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی تبدیلی کی جائے جس سے مطلوبہ مقاصد میں کسی قسم کے خلل کا اندیشہ نہ ہو تو اس پر غور کیا جاسکتا ہے ؂

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھ کر سہرا

لیکن ماضی کے تجربوں کے نتائج سے تو یہی ثابت ہورہا ہے کہ درس نظامی کے اندر تبدیلی کے بعد دینی مدارس کے مطلوبہ مقاصد پوری طرح ہرگز حاصل نہیں ہوسکتے۔

دینی مدارس کا اصل مقصد دینی مدارس کا اصل مقصد قرآن و حدیث اور تفسیر و فقہ، دینی علوم میں کامل مہارت کا پیدا کرنا اور دین میں تفقہ کا معیاری درجہ حاصل کرنا ہے۔ اور اس معیاری علم کے حاصل کرنے کیلئے بڑی محنت اور یکسوئی کی ضرورت ہے۔ شب و روز تحصیل علم میں اشتغال و انہماک کے بغیر معیاری درجہ کا علم حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اکتساب علم کے زمانہ میں اگر معمولی سی بھی بے توجہی اور بے خیالی سے کام لیا گیا، تو پھر وہ مطلوبہ مہارت اور تفقہ کا درجہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ماہر اور تجربہ کار علماء دین نے طلباء علوم دین کے لئے علم کے اکتساب و تحصیل کے زمانہ میں کسی ایسی چیز کی طرف توجہ کرنے کو سخت مضرت رساں سمجھا ہے۔ جس سے طالب علم کی توجہ طلب علم سے ہٹ کر دوسری کسی جانب لگ جانے کا احتمال ہو اور اکتساب علم میں خلل انداز ہونے کا اندیشہ ہو، یہاں تک کہ طلب علم کے زمانہ میں تصوف و سلوک کے ایسے خاص اشتغال

وظائف سے بھی روکا ہے۔ جن کے لئے توجہ اور وقت درکار ہوتا ہے۔ کیونکہ ان امور کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے طلب علم میں کمی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور عقل و تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ ایک وقت میں دو کاموں کی طرف پوری توجہ نہیں کی جاسکتی۔ جب دینی علوم کے ساتھ دنیوی علوم و فنون بھی حاصل کئے جائیں گے تو توجہ تقسیم ہو کر یکسوئی فوت ہو جائے گی۔ اس طرح علوم دینیہ میں کمال اور مہارت پیدا کرنے کی طرف پوری دلچسپی باقی نہیں رہ سکتی۔ اور دینی مدارس کے قیام کا مذکورہ اصل مقصد کما حقہٗ حاصل نہیں ہو سکتا۔

دوسرے نصاب کے داخل کرنے کی مضرت | عالم دین کیلئے منشی فاضل مولوی فاضل وغیرہ کے امتحان کو بھی اسی لئے ماہرین علوم دینیہ نے پسند نہیں کیا تھا کہ پھر وہ اسکولوں کی تلاش اور وہاں کے محدود نصاب کی تعلیم میں مشغول ہو کر اپنی علمی استعداد اور اس میں روز افزوں ترقی کے مواقع سے محروم ہو جائیگا اسکی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ دینی مدارس کے ذی استعداد فضلاء نے سرکاری امتحان دیکر اپنی تمام عمر سرکاری سکولوں میں گذار دی اور اس طرح اپنی علمی استعداد اور قابلیت کو وہاں کے محدود نصاب میں گم کر دیا اگر وہ دینی مدارس میں کام کرتے تو یقیناً ان کی استعداد و قابلیت کہیں زیادہ ترقی کر جاتی۔ اس تجربہ کے خلاف کوئی شاذ و نادر ہی مثال مل سکے گی۔

سرکاری مدارس کا نصاب | پاکستان کے بعد بجا طور پر امید تو اس بات کی کی جارہی تھی کہ انگریزی زمانہ کی یادگار نظام تعلیم و تربیت کو بدل کر ایسا نصاب تعلیم رائج کیا جائے گا۔ جو اسلام کے تقاضوں کے عین مطابق ہوگا۔ اور صرف کلرک پیدا کرنے کی بجائے اس سے صاحب سیرت و کردار مسلمان پیدا ہوا کریں گے جن سے ملک و ملت کی تعمیر و بقاء کا کام لیا جاسکے گا۔ مگر افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ تیس سال کا عرصہ گذر گیا۔ یہ امید پوری نہیں ہو سکی۔ اور سابقہ حکومتوں نے سرکاری مدارس کے نصاب کو اسلامی اور ملکی تقاضوں کے مطابق بنانے کی ضرورت کا احساس ہی نہیں کیا۔ مگر انگریزوں کے چلے جانے کے باوجود اس نصاب کی صورت میں لارڈ میکالے کی روح بدستور اپنا وہ کارنامہ انجام دے رہی ہے۔ اور اپنا وہ مقصد حاصل کر رہی ہے جو اس نصاب سے اس کا مقصود تھا۔ کہ خون اور رنگ کے پاکستانیوں کا مذاق۔ رائے الفاظ اور سمجھ بوجھ بدستور سابق انگریزی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نصاب کے پروردہ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ تعلیم و ترقی کے اس دور میں دینی مدارس کا کیا فائدہ ہے۔ اور یہ بات ان کی انگریزی سمجھ بوجھ میں ہی نہیں آتی کہ دینی مدارس کے ذریعہ پیدا ہونے والے خالص ملا سے بھی ملک و ملت کی بقا اور تحفظ اسلام کا فریضہ انجام پا رہا ہے۔ اور یہ کہ ان ملاؤں کے پیدا کرنے والی درسگاہوں کا وجود بھی ملک و ملت کے لئے اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا کہ دوسرے مروجہ علوم و فنون کی درسگاہوں کا ملک میں ہونا ضروری

سمجھا جاتا ہے۔

جسطرح دنیا کی موجودہ حکومتوں نے اپنے اپنے ماہرین تعلیم کے مشوروں کے مطابق تعلیم کے مختلف شعبوں۔ ڈاکٹری۔ انجینئرنگ۔ اور قانون وغیرہ کی تعلیم کے لئے الگ الگ کالج قائم کئے ہوئے ہیں۔ اور سب شعبوں کیلئے تعلیم کا یکجا انتظام ممکن نہیں۔ اور نہ ہی ہر شخص کے لئے۔ ہر شعبہ میں تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ بلکہ جس شخص کو جس شعبہ اور فن کے ساتھ طبعی مناسبت اور دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ اپنے پسند کے کالج میں داخلہ لے لیتا ہے۔ اور کسی کو بھی اس پر یہ اعتراض نہیں ہوتا کہ تم نے ایک ہی کالج اور ایک ہی شعبہ میں تعلیم کیوں حاصل کی۔؟

سب کالجوں اور تمام شعبوں میں داخلہ لینا اور تمام فنون کی تکمیل کرنی ضروری ہے۔ ورنہ تمہاری تعلیم ناقص رہے گی۔ اور باوجودیکہ ڈاکٹری میں ڈگری حاصل کی ہے۔ مگر پھر بھی اس لئے ناقص پاؤ گے کہ لاکالج وغیرہ سے ڈگری حاصل نہ کر سکے۔

اس اعتراض نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ملک میں جسطرح ماہر قانون وکلاء کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح قابل ڈاکٹروں وغیرہ وغیرہ کی بھی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔ اور ہر شخص کے لئے یہ بات مشکل ہے۔ کہ وہ ڈاکٹری اور قانون دونوں شعبوں میں مہارت حاصل کر سکے۔ اور پھر دونوں شعبوں میں خدمات انجام دینے کیلئے بھی اسکو وقت میسّر آسکے اس لئے ہی دونوں شعبوں میں اگر کسی طرح قابلیت حاصل بھی کر لی جائے تو بھی لامحالہ کسی ایک شعبہ کو اپنی خدمات کے لئے مخصوص کرنا پڑے گا۔ اور اسی شعبہ میں اسکو مہارت و تجربہ بھی حاصل ہو سکے گا۔ اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر ملک۔ و ملّت کی بقاء اور اسلام و اسلامیات کے تحفظ کے لئے دینی مدارس کا تشخص اور ان کا موجودہ علیٰحدہ نظام اور طریق تعلیم قائم رہنا بہت ضروری ہے۔ تاکہ ان میں قانون اسلام کے ایسے ماہرین پیدا ہوتے رہیں جو تمام عمر یکسوئی کے ساتھ ہمہ تن مشغول رہ کر دین کے شعبہ میں کام کرتے رہیں اور اپنی خدمات کے لئے اسی دین کے شعبہ کو مخصوص کریں۔

اگر قیام پاکستان کے فوراً ہی بعد سرکاری مدارس کے نصاب میں یہ نہایت ضروری تبدیلی کر دی ہوتی کہ علوم اسلامیہ کو نہ صرف شامل کر لیا جاتا بلکہ ان کو مقصد اور اوّلیت کا درجہ بھی دیدیا جاتا تو اب حکومت کیطرف سے جو عدالت عالیہ کے جج صاحبان کو کسی قانون کے خلاف شریعت اسلامیہ ہونیکی صورت میں اسکو منسوخ کرنے کا اختیار دیدیا گیا ہے۔ مشکل پیش نہ آتی اور یہ سوال کھڑا نہ ہوتا کہ جب ہمارے قابل احترام عدلیہ کے جج صاحبان کو اسلامی قوانین سے کماحقہ واقفیت ہی حاصل نہیں ہے تو وہ کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کیسے کریں گے۔ اور یہ اختیار دیکر ان کو ایک گونہ مشکل اور آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے۔ بلکہ غور

سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اختیار دیکر ان جج صاحبان کو ایسے کام کے انجام دینے کی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے۔ جو بحالت موجودہ ان کی صلاحیت کے دائرۂ کار سے باہر اور حدود عمل سے خارج ہے۔ اور کسی بی شخص کو کسی ایسے عمل کی تکلیف دینا جسکی انجام دہی کی صلاحیت اس نے حاصل نہ کی ہو۔ تکلیف مالا یطاق میں داخل ہے۔ اگر کوئی صاحب اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں کہ قانون ملکی کے ماہرین ہونے کے ساتھ ہمارے فاضل جج صاحبان کو قانون شریعت کے اندر بھی مہارت کا درجہ حاصل ہے۔ تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ قوانین شریعت کا باقاعدہ استاذوں سے علم حاصل کئے بغیر انگریزی اردو ترجموں کو دیکھ کر یا عربی زبان کی واقفیت کے بل بوتے پر مہارت کا دعویٰ کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص ملکی قوانین کا اردو انگریزی میں مطالعہ کر کے ان تجربہ کار جج صاحبان کے مقابلہ میں دعویٰ کرنے لگے کہ میں بھی ملکی قوانین کا ماہر ہوں جنکی عمروں کا اکثر و بیشتر حصہ ملکی قوانین کے باقاعدہ حاصل کرنے اور ماہرین قانون اور تجربہ کاروں کے ساتھ مدتوں کام سیکھنے میں گذرا ہے۔ کسی بھی عقلمند شخص کے نزدیک۔ صرف مطالعہ سے حاصل شدہ معلومات کو معیاری درجہ کا علم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اسکی بنیاد پر عدالتی فیصلوں کی اجازت دیکر کرسی عدالت اس کے سپرد کی جا سکتی ہے۔

آخری گذارش مقصد یہ ہے کہ ملک کی ضروریات میں جسطرح یہ بات داخل ہے کہ ہر شعبہ اور فن کے ماہرین کی جماعت ملک میں ہو اور ان کے لئے الگ الگ کالج قائم ہیں۔ اسی طرح دینی مدارس کا اپنے خاص نصاب کے ساتھ باقی رکھنا بھی ملک و ملت کی ایک مذہبی ضرورت اور اہم فریضہ ہے۔ اب اگر مروجہ نصاب کیساتھ کسی کے نزدیک یہ دینی مدارس کسی قسم کی ہمدردی یا تعاون و امداد کے حقدار نہیں ہیں۔ اور اس کے نزدیک ان کا علیحدہ تشخص بھی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ وہ ان مدارس کے مستحق تعاون اور نظر عنایت کیلئے ضروری سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس کے نصاب میں مروجہ فنون کی پیوند کاری بھی ضروری ہے۔ تو ہماری گذارش یہ ہے کہ اس پیوند کاری سے دینی مدارس کی مقصدی افادیت کو نقصان پہنچانے کی اس کوشش سے ان کو معاف رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔

بعد مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

الحق میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیں

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے غیر مطبوعہ خطوط

محترم المقام زید مجدکم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

والانامہ باعث عزت افزائی ہوا، یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں ، آپ بعد نماز عشاء ۱۷ مرتبہ سورت الم نشرح اور اوّل آخر تین تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں۔ اور سوتے وقت چاروں قل پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے تمام بدن پر دونوں ہاتھ پھیر لیا کریں۔ اور اس کے بعد کسی سے بات نہ کریں۔ مولوی ایوب صاحب میرے ساتھ نہیں ہیں وطن میں مولوی یوسف صاحب کے پاس ہیں ـــــ دعوات صالحہ اور کار لائقہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ جملہ واقفین حضرات پرسان حال کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیں ۲۷ رمضان۔

(نوٹ:۔ لفافہ پر دسمبر ۳۵ء کی مہر ہے)

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

مزاج مبارک ۔ والانامہ مورخہ ۱۲ جمادی اوّل باعث سرفرازی ہوا ، یاد آوری کا شکر گذار ہوں بعض اوامر کے امتثال کا قصد ہے ۔ یعنی ۲۵ فروری کی شب میں کوسمبہ ڈیرہ دون بمبئی ایکسپریس سے انشاء اللہ پہنچوں گا۔ کوسمبہ سورت راندیر، ڈابھیل ایک ایک دن قیام کر کے ۲۸ فروری کی صبح کو بمبئی پہنچوں گا۔ اور وہاں دو دن قیام کر کے یکم کی شام یا دوم کی صبح کو دیوبند واپس ہو جاؤں گا۔ زیادہ کہیں جانے کی وسعت نہیں ہے۔ اگرچہ مطالبہ پندرہ بیس جگہوں سے ہے۔ واقفین پرسان حال کی خدمت عالیہ میں سلام مسنون عرض کر دیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

۲۴ جمادی الاوّل ۶۲ھ

محترم المقام زیدمجدکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، - مزاج شریف - والانامہ باعث سرفرازی ہوا۔ خیر وعافیت سے آپکی واپسی موجب مسرت ہوئی۔ صوبہ سرحد کیلئے طلبہ کا وفد اب جاچکا ہے۔ الخیر فیما وقع۔ مولانا نافع گل[1] صاحب رئیس الوفد ہیں ہی۔ جو مناسب ہو کریں۔ آپ کے حسب ارشاد دعا کرتا ہوں۔ مشرقی[2] کے فتنۂ الحاد و دہریت کیلئے امرتسر سے مولانا بہاؤ الدین[3] صاحب قاسمی کے رسائل بہت مفید ہیں۔ ان کو سرحد میں بھجوائیے۔

دعوات صالحہ سے اس روسیاہ ننگ اسلاف کو فراموش نہ فرمائیں۔ واتقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہہ دیجئے۔ والسلام۔ مولانا محمد جلیل صاحب[4] سلام مسنون فرماتے ہیں۔ قاری[5] صاحب اس سال ساتھ نہیں ہیں۔ موزہ بحمد اللہ اچھا نکلا، ان دنوں اسکو استعمال کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے۔

(۱۲ر رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ)

محترم المقام زیدمجدکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، - مزاج شریف - آپکا والانامہ باعث سرفرازی ہوا۔ بحمد اللہ میں بالکل خیر وعافیت سے ہوں۔ صرف راستہ میں لکھنؤ میں کچھ معمولی سی شکایت درد گردہ کی محسوس ہوئی تھی، جو کہ درجہ ضبط سے بڑھی ہوئی نہ تھی۔ پھر آج تک نہیں ہوئی، دوائیں استعمال کر رہا ہوں۔

طبیعت کو پریشان رکھنا نہ چاہیئے، بالخصوص ذکر و مراقبہ میں تو ہرگز کمی نہیں ہونی چاہیئے۔ قبض وبسط بھی طاری ہوتے رہتے ہیں۔ اور معاصی کی شامت بھی اپنا رنگ دکھاتی رہتی ہے۔ بہرحال استغفار کی کثرت رکھئے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کریگا۔ مولانا جلیل صاحب بخیریت ہیں، سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔ قاری صاحب اپنے مکان ہی پر بیماری کی وجہ سے رہ گئے تھے، اسعد بخیریت ہے۔ وہاں سب حضرات سے سلام مسنون عرض کر دیں۔

والسلام - ۳۰ر رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ

۱۹۳۶ء

---

[1] مولانا عبدالحق نافع گل مرحوم برادر مولانا عزیر گل اسیر مالٹا۔

[2] محمد عنایت اللہ خان مشرقی۔

[3] مولانا بہاء الحق قاسمی مراد ہیں۔

[4] استاذ دارالعلوم دیوبند

[5] مولانا کے خادم خاص اور پرائیویٹ سیکرٹری قاری اصغر علی صاحب مرحوم۔ (سمیع الحق)

محترم المقام زید مجدکم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مزاج مبارک ۔ والانامہ مورخہ ۳ر شوال باعث سرفرازی ہوا۔ مطلع سخت ابر آلود ہونے کی وجہ سے یہاں عید سہ شنبہ کی ہوئی، بعض دوسرے مقامات میں دوشنبہ کی ہوئی۔ میرے پیر پر ورم نہیں تھا، بلکہ گھٹنے میں تکلیف تھی، اس کا علاج کیا گیا قدرے افاقہ ہوگیا ہے۔ مگر گھٹنوں میں جو ضعف شدید پیدا ہوگیا ہے جسکی وجہ سے زیادہ کھڑا رہنا اور رکوع سے سجدہ میں جانا اور سجدہ سے اٹھ کھڑا ہونا بغیر دونوں ہاتھوں کے ٹیکنے کے ناممکن ہوگیا ہے۔ وہ باقی ہے۔ پیری وصد عیب چنیں گفتہ اند۔ اور ہر طرح سے بخیر وعافیت ہوں۔ میں آج شب میں یعنی ۲۶ر جولائی کی شب میں معہ متعلقین دیوبند کو روانہ ہو رہا ہوں۔ انشاء اللہ ۲۸ر جولائی کو دیوبند پہنچ جاؤں گا۔ اگر ممکن ہو تو تین پونڈ چائے سبز اعلیٰ درجہ کی ہمراہ لیتے آئیے بشرطیکہ سب کی قیمت لینی ہوگی۔ چائے ٹین کے ڈبہ میں بند ہونی چاہیئے تاکہ برسات کی ہواؤں کا اثر نہ پہنچے۔ مولانا رجب خان صاحب اور مولانا محمد صاحب پانڈورسکلی بخیریت اور ساتھ ہیں، سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔ پشاور اور اطراف کے واقفین پرسان حال حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیں۔ والدہ صاحبہ دام مجدہا اور اہلیہ محترمہ سے بھی سلام مسنون اور استدعاء دعوات صالحہ عرض کر دیں مولانا عزیر گل صاحب اور مولانا نافع گل صاحب سے اگر ملاقات ہو تو ان سے بھی سلام مسنون عرض کر دیں۔ والسلام قاری اصغر علی صاحب سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔ (مورخہ ۸ر شوال ۱۳۶۹ھ)

★

الی ما طما عبۃ العاذل ولا رای فی الحب للعاقل

محترم المقام زید مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' ۔ والانامہ مورخہ ۷ر محرم باعث سرفرازی ہوا تھا۔ مختلف اسباب وموانع کی وجہ سے عدیم الفرصتی نے آپکو اور مولانا محمد یوسف صاحب کو عریضہ لکھنے میں قاصر رکھا۔ اس درمیان میں مولانا محمد یوسف صاحب کا والانامہ باعث سرفرازی ہوا، انہوں نے اپنے والدین ماجدین کا عذر دربارہ رجوع پاکستان ذکر کیا۔ نیز یہاں سے پرمٹ کی مشکلات بھی دکھلائیں۔ یہ دونوں چیزیں غیر اختیاری ہیں۔ ادھر والدین کی اطاعت کی فرضیت بھی قابل انکار نہیں ہے۔ اس وجہ سے میں نے لکھدیا ہے۔ کہ ان احوال میں آپکو روکا نہیں جا سکتا۔ وہ خود ہم سے زیادہ صاحب علم وفکر ہیں۔ وہ اپنے فیصلہ پر خود غور فرما سکتے ہیں۔ وہ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ انکے یہاں سے جانے میں اسلام اور مسلمانوں کا زیادہ نقصان ہے یا یہاں رہنے میں۔ آپ حضرات وہاں موجود ہیں

ے مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ' مراد ہیں۔ غالباً ڈابھیل سے پاکستان نقل مکانی کے سلسلہ میں یہ ارشاد ہے۔ (سمیع الحق)

ان کو سمجھاتے ہیں۔ مگر میں ان کی تحریر پر کوئی دوسری رائے کیونکر دے سکتا تھا۔ میرے محترم! اگر وہ میزانیہ غور و فکر میں ترجیح وہاں جانے ہی کو دیتے ہیں تو پھر ان کو روکنا غلط ہے۔ وہ وہاں گجرات وغیرہ کے احوال کے مشاہدہ کرنیوالے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ وہاں جاکر ماحول وغیرہ کو دیکھ کر اپنے فیصلہ سے رجوع فرمائیں۔ بنابریں میں یہ عرض کروں گا کہ آپ میری طرف سے انکی خدمت میں بعد سلام مسنون عرض کر دیں کہ وہ اس وقت جامعہ ڈابھیل سے عارضی طور پر اختتام سال تک کی رخصت لیں اور وہاں جاکر احوال پر غائرانہ نظر ڈالیں اگر دین و ملت اسلامیہ کے لئے وہاں ہی ٹھہرنا انسب اور ارجح معلوم ہو تو مستقل قیام فرمائیں ورنہ پھر یہاں واپس آجائیں۔ اور اگر بالفرض وہاں ہی ان کا قیام ہو جائے تو آپ حضرات کو وہ جگہ جہاں پر وہ آج جلوہ افروز ہیں سنبھالنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ تنکے سے وہ کام لے لیتا ہے جو کہ پہاڑ انجام دیتے تھے۔ یہ خیال کہ ہم اس جگہ کو سنبھال نہیں سکتے ہیں. غلط ہے. مجھ ہی کو دیکھئے میں کب اس قابل تھا کہ حضرت شیخ الہند اور حضرت شاہ صاحب قدس اللہ اسرارہما کی جگہ کو سنبھال سکوں۔ مگر اس پروردگار فعال مایشاء نے مجھ جیسے ناقابل و ناکارہ کو ان بزرگوں جبال علم و عمل کی جگہ پر کام کرنے والا بنا دیا وہ کام لے رہا ہے اور کام چل رہا ہے۔

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست　　　با کریماں کارہا دشوار نیست

ہمت بلند کیجئے اور اس کریم کارساز کی قدرت اور عنایت پر اعتماد کرکے اسکی توجہ کو نصب العین بنائیے، وہ بفضلہ و منہ دستگیری فرمائیگا۔ اور ہر مشکل کو آسان کر دے گا۔ انکی اور دیگر مدرسین کرام کی خدمت عالیہ میں سلام مسنون اور استدعاء دعوات صالحہ عرض کر دیں۔ اس ناکارہ ننگ اسلاف کو دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام مولانا محمد جلیل صاحب و قاری اصغر علی صاحب بخیر و عافیت ہیں۔ سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔ (۳۰ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ)

۱۹۴۹ء

★

مندرجہ ذیل تحریر احقر عبدالرؤف کی ہے۔ اس میں الفاظ مخطوط حضرت مدنیؒ کے تحریر کردہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لا الہ الا اللہ دو سو مرتبہ اسطرح پر کہ لا کو دل سے جو کہ بائیں جانب ہے لیکر گردن داہاں مونڈھے تک لائیں اور الٰہ پر سانس چھوڑ دے اور پھر لوٹ کر الا اللہ کی ضرب کو قلب پر ختم کر دے اور بغیر گردن پھرانے کے صرف الا اللہ کو چار سو مرتبہ اور یہ قلب ہی پر ہو اور اسی طرح اللہ اللہ کو چھ سو مرتبہ اور یہ بھی قلب ہی پر ہو۔ اور اسی طرح ایک سو مرتبہ اللہ صرف اور یہ بھی قلب ہی پر ہو، مجموعہ تعداد تیرہ سو ہو جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک مجلس میں قبلہ رو باوضو ہو۔ جسوقت بھی ہو مگر آخری رات میں زیادہ بہتر ہے۔

مندرجہ ذیل سطور حضرت مدنیؒ کی تحریر کردہ ہیں۔

شروع ذکر کرنے سے پہلے درود شریف ۳ مرتبہ سورہ فاتحہ ۳ مرتبہ سورہ اخلاص ۱۲ مرتبہ درود شریف ۳ مرتبہ پڑھکر دعا کریں۔ اللھم بلغ ثوابہ الی مشائخی الطریقہ وبحرمتہم طہر قلبی عما سواک ونورہ بانوار معرفتک وعشقک یا اکرم الاکرمین

■■

صد سالہ خیر شد

سید محمد فاروق بخاری
گورنمنٹ ڈگری کالج سوپور۔ کشمیر
انڈیا

——— افادات علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (محدث)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بیسوی صدی کے ممتاز علماء اور نامور محققین اسلام میں جو مقام و مرتبہ رکھتے ہیں وہ ہر صاحب علم وفضل پر روشن ہے۔ ان کے معاصرین کہتے ہیں کہ شاہ صاحب فقہ و حدیث کے خاص طور پر امام زمان اور حفاظ حدیث کی سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی تھے۔

کلام اقبال کے شارح اعظم پروفیسر یوسف سلیم چشتی فرماتے ہیں:

"ہر چند مرحوم ہر فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے لیکن
حدیث اور فقہ میں بلاشبہ تمام دنیائے اسلام میں
کوئی شخص اُن کا ہمسر نہ تھا[1]"

اسی طرح ابن خلکان ہند حضرت مولانا حکیم سید عبدالحیؒ حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:

الشیخ الفاضل العلامۃ انور شاہ ...... احد

---

[1] ارمغان حجاز باشرح، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۷۲

کبار الفقہاء الحنفیۃ (وعلماء الحدیث الاجلاءؒ)

مگر جن حضرات کو حضرت شاہ صاحب کو بڑے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا وہ یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ حضرت نہ صرف علوم آلیہ (صرف، نحو، بیان و بدیع، عروض وغیرہ) اور علوم عربیہ دینیہ کے بحرِ زخار تھے بلکہ علوم عقلیہ اور فنون عصریہ کے بھی ماہر کامل تھے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ، جنھیں حضرت کے پاس دوسرے تلامذہ اور ساتھیوں کی بہ نسبت خلوت وجلوت میں بیٹھنے کا زیادہ موقعہ ملا ہے، فرماتے ہیں:

> "مطالعہ کے سلسلہ میں فنون عصریہ، فلسفۂ جدیدہ،
> ہیئتِ جدیدہ، حتیٰ کہ فنِ رمل وجفر کی کتابوں کو بھی
> مطالعہ سے نہ چھوڑا۔"[۲]

یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ نہیں ہے اور نہ اسے عقیدتمندی پر محمول کیا جاسکتا ہے بلکہ آفتاب کی طرح روشن حقیقت ہے۔ اس حقیقت کی حضرت ؒ مرحوم کے رسائل و امالی سے من و عن تصدیق ہوتی ہے۔ فلسفے پر تو اُن کے مستقل رسائل ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ اس کے علاوہ فیض الباری، انوار المحمود نیز عقیدۃ الاسلام میں فلسفہ، کلام اور معارف الٰہیہ پر مشتمل مسائل کے بارے میں سینکڑوں جواہرات بکھرے ہوئے ہیں۔ مگر افسوس! نہ ان کو آج تک یکجا جمع کرنے کی کوشش کی گئی اور نہ منتشر حالت ہی میں سہی اردو میں منتقل کئے گئے۔ فیض الباری کو اٹھائیے.... اس کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کے دوسرے نامور شاگرد مولانا

---

[۱] نزھۃ الخواطر ج ۸، خطوط وحدانی کی عبارت حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ کی ہے۔ جیسا کہ انھوں نے خود تصریح فرمائی ہے۔

[۲] حیاتِ انور: مقالہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ۔

حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی مرحوم ومغفور (برادر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ) اپنے ایک مکتوب میں یہ خیال ظاہر کرتے ہیں:

"حضرت کے نام سے بخاری کی جو شرح (فیض الباری ؟) شائع ہوئی ہے اس میں بھی وہ مضامین نہیں ہیں جو حضرت کی تقریروں میں ہوتے تھے اور جن مضامین کو حضرت سے بیشتر کسی نے نہیں لکھا ہے۔"[1]

حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور کی یہ رائے ان کی فضیلت علمی کی روشن دلیل اور حضرت شاہ صاحب کے مایہ ناز شاگرد ہونے کی کھلی نشانی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ باوجود اس نقص دکمی کے فیض الباری کی چاروں جلدیں یا صرف عقیدۃ الاسلام فی حیوٰۃ عیسیٰ علیہ السلام اٹھا کر دیکھیئے، آپ کو بھی اپنے مخاطب سے وہی کہنا پڑے گا جو ایک محقق، جاحظ (ابو عثمان عمرو) کی کتابیں پڑھ کر اپنے مخاطب سے کہتا ہے:

وانت اذا ادرت نظرك فى ثبت ما صنّف من مصنّفات اخذك الدهش ويملك العجب، لانك تراه لم يكد يترك علماً معروفاً على زمانه لم يصنع فيه مولفاً ولم يدع فناً لم يكتب فيه مصنفاً[2]

فرق یہ ہے کہ جاحظ نے سب کچھ خود لکھا اور حضرت شاہ صاحب نے کچھ اپنے قلم سے لکھا اور کچھ اپنے نامور اور جلیل القدر تلامذہ سے لکھوایا۔ اسی کے ساتھ اگر اس بات پر افسوس کیا جائے تو بے جا افسوس نہ ہوگا کہ متاخرین فضلاء ہند کی توجہ حضرت کی تصنیفات وامالی کی جانب بہت کم رہی، بلکہ بعضوں نے احساس کمتری یا احساس برتری کی وجہ سے کھلے حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ اگر آپ علامہ انور شاہ محدث اور علامہ اقبال کے

---

[1] انوار الباری مقدمہ جلد دوم ص ۲۵۷ [2] البیان والتبیین: مطبعۂ رحمانیہ، مصر ۱۹۳۲ء

مابین تعلقات پر اقبالیات کے ماہرین کی تصنیفات کی طرف معلومات حاصل کرنے کی غرض سے رجوع کرنا چاہیں تو کچھ بھی نہ ملے گا۔

حسب ذیل سطور، جو مسئلہ خیر وشر پر حضرت شاہ محمد انور شاہؒ کے افادات کی روشنی میں لکھی گئی ہیں ایسے شخص کے قلم سے ہیں جو ادب عربی کا معمولی طالب علم ہے اگرچہ کلِ فنِ رجال کو مدنظر رکھ کر اس موضوع پر قلم اٹھانا میرا زبردست علمی جرم ہے مگر میری محبت حضرت کے ساتھ معقولی نہیں بلکہ جذباتی ہے اس لئے یہاں معافی کی گنجائش ہے۔ اپنی تہی مائگی اور ہیچمیرزی کا پورا اور کھلے دل سے معترف ہو کر یہ سطور ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

جس طرح مسئلہ جبر و اختیار، وحدۃ الوجود، حیات بعد الموت، جزاء و سزا وغیرہ میں حضرت شاہ صاحب کا مسلک حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی تصنیفاتِ عالیہ سے اکثر و بیشتر ماخوذ ہے اسی طرح مسئلہ خیر و شر بھی وہ حضرت شیخ ہی کے معارف و حقائق کی روشنی میں حل کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے بارے میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> کان کثیر الاعجاب بالشیخ محی الدین ابن عربی فی بیان الحقائق و المعارف الالٰھیۃ[1] یعنی حضرت شاہ صاحب کو شیخ اکبر کے معارف الہیہ بیان کرنے میں بڑا تعجب تھا (اور متأثر تھے)۔

بلکہ بقول مولانا محمد منظور صاحب نعمانی "شاہ صاحب خود وقت کے شیخ اکبر تھے[2]۔" جس طرح مولانا عبید اللہ سندھی ولی اللّٰہی علوم کے سمندر تھے اسی طرح حضرت شاہ صاحب نے شیخ اکبر کے علوم کو جذب کیا تھا۔ فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم کے علاوہ دیگر تصانیفِ شیخ کا حوالہ بھی شاہ صاحب کے رسائل میں ملتا ہے۔ فصوص الحکم کی متعدد شرحیں، جو ابھی تک زیور طبع سے بھی آراستہ نہیں ہوئی ہیں، بھی نظر سے گزری تھیں۔ غرض یہ مسئلہ (خیر و شر) بھی شیخ اکبر ہی

---

[1] نزھۃ الخواطر ج ۸۔ [2] حیاتِ انور: مقالہ حضرت مولانا نعمانی

یہاں ماہیات سے اعیانِ ثابتہ مراد ہیں

کے علوم ومعارف سے اکثر ماخوذ ہے، اور شاہ صاحب نے نہایت اجمال کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔ وہ ممکنات سے بات شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اشیار کونیہ، اعیانِ ثابتہ ہیں" صوفیہ کرام کے نزدیک اشیار کونیہ، معلومات حق ہیں اور انہی کو ماہیاتِ اشیار بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہا تو انہی اعیانِ ثابتہ یا صورِ علمیہ کو اپنی تجلّی کے ذریعہ ظاہر کیا۔ کیونکہ اس کے بغیر ظہورِ حق ناممکن تھا۔ "کُن" کے مخاطب بھی یہی اعیانِ ممکنات تھے ورنہ عدم، جب کچھ ہے ہی نہیں تو مخاطب کیسے بن سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہی اعیان، جو ذاتِ حق کی طرح ازلی ہیں "ہوجا" کے مخاطب ہوئے بالفاظ دیگر اعیان، آئینہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مشاہدہ کیا اور مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ چونکہ یہ اعیان، کوئی علاحدہ وجود نہیں رکھتے، ذاتِ حق کے وجود ہی سے قائم ہیں، ذاتِ حق ہی کی طرح ازلی ہیں اس لئے اگر کوئی یہ پکارے تو درست پکارتا ہے:

هُنَاكَ تَجَلّٰى بِذَاتِهٖ عَلٰى ذَاتِهٖ مِنْ ذَاتِهٖ

اِلٰى ذَاتِهٖ فِىْ ذَاتِهٖ لِذَاتِهٖ[1]

اب جبکہ یہ کائنات، معلوماتِ الٰہی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے تو ان معلومات کی حقیقت کا جاننا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ معلومات یا ماہیات معدوم بھی ہیں اور موجود بھی یا حضرت شاہ صاحب کے لفظوں میں لاموجوداً بحتاً ولا معدوماً محضاً[2] یہ نہ موجودِ محض ہیں اور نہ معدومِ محض۔ موجودِ محض

---

[1] تحیۃ الاسلام، مجلس علمی ڈابھیل مصنفہ علامہ انورشاہ کشمیری ص ۱۴۱

[2] انوار المحمود فی شرح ابوداؤد، مرتبہ مولانا محمد صدیق نجیب آبادی جمال پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۳۷ء

اس لئے نہیں ہیں کہ اُن کا اپنا وجود نہیں ہے، یہ مسلوب الذات اور صفاتِ عدمیہ سے متصف ہیں۔ اور معدوم محض اس لئے نہیں ہیں کہ معلوماتِ حق ہونے کی وجہ سے ثابت بالذات ہیں۔

معلوم ہوا کہ معلومات یا ماہیاتِ اشیاء معدوم بھی ہیں اور خاص قسم کا وجود رکھنے کی وجہ سے موجود بھی ہیں۔

اِس کے برعکس ان معلومات کے عالم یعنی اللہ تعالیٰ سوجود ہی موجود ہیں۔ بلکہ خدا وجود کا سرچشمہ اور خزانہ ہے، عدم کے تمام شوائب سے یکسر پاک ہے، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں "واِنّ ذاتہٗ منزھۃٌ مِن شوائب العدم مطلقاً"[1] چونکہ عرفاء کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ وجود کے نتائج خیرات ہی خیرات جیسے حُسن، کمال وغیرہ ہوتے ہیں اور عدم کے ثمرات شرور ہی شرور جیسے قبائح، نقائص وغیرہ ہوتے ہیں اس لئے حق تعالیٰ جس کے بارے میں معلوم ہوا کہ عدم اور عدمیت سے وہ یکسر پاک ہے اس لئے وہ خیرِ مطلق ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

ما من کمالٍ الا یجب ان یکون موجوداً فیہ سبحانہٗ وتعالیٰ علیٰ وجہ التام لانہٗ منبع الوجود ومخزنہٗ[2]	تمام کمالات کا ذاتِ حق میں علیٰ وجہ التام موجود ہونا ضروری اور لابُدی ہے، کیونکہ وہ وجود کا خزانہ اور سرچشمہ ہے۔

مذکورہ بالا سطور میں اشیاء کونیہ اور حق تعالیٰ (معلومات اور عالم) کے درمیان جس خاص قسم کے تعلق اور پھر کلی مغائرت پر روشنی ڈالی گئی۔ اس کے نتائج حسب ذیل

---

[1] انوار المحمود فی شرح ابو داؤد: مرتبہ مولانا محمد صدیق نجیب آبادی۔ جمال پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۳۷ء

[2] انوار المحمود ج ۲

یہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ، موجودِ محض ہیں اس لئے خیرِ مطلق اور نقص و قبح سے یکسر پاک ہے۔

(۲) اشیاءِ کون، خاص قسم کا وجود رکھنے کے باوجود معدوم ہیں۔ اس سلئے

بالفاظ حضرت مولانا انور شاہ محدث

خُلّط الامران، الخیر والشر، والکمال والنقص والحسن و القبح، اقتضاءً من جانبیہ الوجود و العدم[1]

یہاں دو متضاد چیزیں مل گئیں خیر اور شر، کمال اور نقص، حسن اور قبح جیسا کہ دو متضاد چیزوں کا تقاضا تھا یعنی عدم اور وجود۔

ذات حق اور مخلوقات کی ذوات (اشیاء کونیہ) کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد "استعداد" یا "قابلیت" کی بات آگئی۔ معلومات یا اشیاء کونیہ جس طرح خود ازلی ہوتی ہیں اسی طرح ان کی قابلیات اور لوازم ذاتیہ بھی ازلی ہوتی ہیں۔ ان لوازم ذاتیہ اور استعدادوں کو اپنی اپنی ذوات سے کبھی علٰحدہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اب "خیر و شر" کا مسئلہ واضح ہوتا ہے۔ آگے ہم نے بتایا کہ حق تعالیٰ معلومات کو اپنی تجلی کے ذریعہ ظاہر کرتے ہیں تو جب ان معلومات یا ممکنات کا ظہور ہوا تو خود بخود ان کے لوازم ذاتیہ بھی منظر عام پر آئے جو ازازل ان میں موجود ہیں۔ جہاں تک ان کے ازلی ہونے کا تعلق ہے تو یہاں انسان کے مختار اور آزاد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ جس کے لوازم اور قابلیات اچھے ہوں، وہ ان کا اظہار اپنے رب کی تجلی کے ذریعہ بے روک ٹوک کر سکتا ہے کوئی قید و بندش نہیں ہے،

---

[1] انوار المحمود ج ۲ ص ۵۴۸۔

سوال: ۔ تقاضائے ذات ہی ہے +

اور جس کے بُرے ہوں وہ بھی عیاں ہوگا حضرت شاہ صاحب اپنے حسب ذیل اشعار میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

ویثمر شرٌّ شرّ ما ینبغی لہٗ ویزعمہٗ الظلم الصریح جھول

کایراث خبث البذر خبث نباتہ طباعًا ولا یاتیہ قال یقول[1]

یعنی شر کا پھل شر ہی ہوتا ہے مگر جاہل اسے ظلم صریح سمجھتا ہے۔ جس درخت کا بیج فطرتًا اور ازل سے برا ہوا اس کا سبزہ بھی بُرا ہی ہوگا اور اس میں بے کار باتیں نہیں چلتی ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کا مقصد یوں بھی سمجھا یا جا سکتا ہے کہ اگر ایک روشن شمع کے آس پاس مختلف رنگوں کی شیشیاں رکھی جائیں تو روشنی وہی رنگ (باہر سے) اختیار کرے گی جو جس شیشی کا ہوگا۔ بس تجلی حق شمع کی روشنی سمجھنی چاہیئے، شیشیاں ممکنات یا ماہیاتِ اشیاء، اور ان کے رنگ، ان ممکنات اور اعیان کی ازلی قابلیتیں۔ جو شیشہ جتنا صاف اور شفاف ہوگا وہ اتنا ہی روشن ہوگا اور جو جتنا کالا ہوگا اتنا ہی روشنی سے محروم رہے گا۔ حالانکہ نہ نفس روشنی میں کوئی رنگ ہے اور نہ روشنی شیشیوں میں سے کسی پر زیادہ پڑتی ہے اور .... نہ کسی پر کم۔

الغرض یہاں تک آدمی آزاد اور مختار ہے، مگر اس اختیار اور اپنی فطری استعداد کا اظہار کرنے کے لئے کھلی آزادی رکھنے کے باوجود انسان مجبور ہے۔ اسی راز کی طرف حضرت شاہ صاحب اشارہ کرتے ہیں :

واما اختیارٌ مستقلٌ فانہٗ محالٌ فلا یسألک عنہ سئول[2]

---

[1] انوار المحمد ج ۲ ص ۵۵۶

[2] ایضًا

یعنی جہاں تک مستقل اختیار اور آزادی کا تعلق ہے تو یہ محال ہے ..... اس کی وجہ یہ ہے کہ اعیانِ ثابتہ بے حس و حرکت ہیں، فعل کی قوت اُن میں نہیں ہے۔ بقول حضرت شاہ صاحبؒ :

صفۃٌ لہٗ خلقٌ کذالک وحدۃٌ ۔۔۔ کصفاتہٖ العظمیٰ فلا تقفان

فعلٌ و فرعٌ من جلالۃِ ذاتہٖ ۔۔۔ لولا ما ذا شابَ من نقصان[1]

خالق اور فاعلِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ کا یہی فعالِ حقیقی اور قادرِ مطلق ہونا انسان کو مجبور بناتا ہے۔ دیکھئے اس نکتے کو کس طرح حضرت شاہ صاحب بیان کرتے ہیں :

وافعالنا منّا علیٰ اختیارنا ۔۔۔ ولکنہٗ نحو القدیر یؤل[2]

یعنی افعال تو ہم آزادی سے انجام دیتے ہیں مگر معاملہ پھر بھی قدرت والے خدا کی طرف لوٹتا ہے۔ بس اسی قدرت اور فعل حق سے جبر کا پہلو نکلتا ہے۔ اگر ہم خلق و فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کریں تو ہم کھلے مشرک ہیں۔ "خلّاق" اور "فعّالٌ لّمایُرید" وہی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں :

لا ینسب شیٌ من الخلق لغیر اللہ تعالیٰ فیکون شریکًا و ندًّا و مساویًا لہٗ فی نسبۃ الفعل الیہ[3]	کسی شے کی پیدائش کے بارے میں کوئی بات بھی اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس طرح کرنے سے وہ گویا فعل کی نسبت میں اللہ کا شریک و سہیم ہے۔

---

[1] عقیدۃ الاسلام فی حیوٰۃ عیسیٰ علیہ السلام ص ۱۴۱

[2] انوار المحمود ج ۲ ص ۵۵۶

[3] ایضاً ج ۲ ص ۵۵۴

اللہ تعالیٰ کو ہر حال میں بذریعہ تجلی اپنے آپ کو ظاہر کرنا ہے اور یہ ظہور اشیاء یا ممکنات کے ذریعہ ہوتا ہے۔ چونکہ اشیاء اضافتہً معدوم تھے اور اللہ تعالیٰ انھیں کام میں لا یا اس لئے مجبور ہیں کیونکہ اب خود بخود ان کے لوازم ذاتیہ اور قابلیتیں وجود میں آئیں گی اب عدم کے صفاتِ قبیحہ بھی نمایاں ہوں گے اور وجود کے صفاتِ حسنہ بھی ظاہر ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحب حسب ذیل مثال دے کر یہ پیچیدہ مسئلہ سلجھاتے ہیں:

الشرور والنقائص فانما نشأت من احاطة عدمه بوجوده الخاص كما ينشأ الشكل التربيع والتثليث والاستدارة والمخروطية وغيرها من احاطة ظلال الاشياء الحائلة بذلك النور الواحد المنبسط والممتد المنتشر في الافاق، فليشكل التربيع والتثليث مثلاً، وان لم يكن موجوداً في نفس نور الشمس الا انه ظهر بسبب هذا النور في المحل بلا ريب، لانه احاطه الظل وهو عدم النور، ولولاه لما جد محيطاً ولا محاطاً ولا يظهر هذا الشكل قطعاً۔ [1]

یعنی ممکن" میں شرور اور نقائص پیدا ہونے کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ ممکن کی صفت عدمیت کے اس کے خاص قسم کے وجود کو گھیرنے کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح آفتاب کا نور جب زمین پر پڑتا ہے تو زمین کی جتنی بھی چیزیں از قبیل شجر و حجر وغیرہ اس نور کے سامنے حائل ہوتی ہیں تو یہ روشنی ٹکڑے ٹکڑے ہوتی ہے اور قسم قسم کی شکلیں جیسے مربع، مثلث، گول، مخروطی وغیرہ نمودار ہوتی ہیں۔ حالانکہ آفتاب کا یہ نور پورے اطراف و آفاق میں چھایا اور پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ شکلیں نفسِ آفتاب میں نہیں ہوتی ہیں۔ بلکہ اِن کا وجود خاص خاص جگہوں پر ہوتا ہے جہاں سایہ حائل ہوتا ہے اور سایہ

---

[1] انوار المحمود ج ۲ ص ۵۴۹

عدمِ نور کی علامت ہے ۔ اگر سایہ نہ ہوتا اور
نہ ہی یہ محیط و محاط (گھیرنے والا اور گھیرا ہوا)
ہوتے یہ شکلیں ہی وجود میں نہ آئیں ۔

حضرت شاہ صاحب جہمیہ اور معتزلہ کی بدلائل و براہین ان کے اپنے اپنے مسلک میں غلو کی تردید کرتے ہیں ۔ جہمیہ کو اس لئے کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بندے کو اصلاً کوئی قدرت نہیں ہے اور معتزلہ کو اس لئے افعال میں قدرتِ حق کی نفی کرتے ہیں ۔ حضرتؒ کی رائے میں مسئلہ ، جبر اور قدر کے درمیان ہے فرماتے ہیں : والمذهب الحق لا جبرٌ ولا قدرٌ بل امرٌ بين امرين [1]

رہا مسئلۂ کسب ، تو اس میں جو بے گرد و غبار حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ حرکت اگر ایک ہے مگر نسبتیں دو ہیں ۔ ایک نسبت ، تخلیق اور اختراع کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور دوسری نسبت بندے کی طرف ، کہتے ہیں :

إنها مقدورة بقدرة الله تعالىٰ وبقدرة العبد
على وجه آخر يعبرُّ عنه بالاكتساب [2]

بندے کو اپنی فطرت کے مطابق یا اپنی ماہیت کے مطابق فعل ظاہر ہونے کی وجہ سے اپنے فعل کے ساتھ نسبت ہے ۔ اور حق کے ساتھ اس لئے نسبت ہے کہ اللہ فاعل حقیقی ہے بقول حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

لا يجري في الملكِ والملكوت طرفةُ عينٍ ولا لفتةُ خاطرٍ ولا فلتةُ
ناظرٍ الّا بقضاءِ الله وقدرتِه وبارادتِه ومشيته ، ومنه الشر

---

[1] انوار المحمود ج ۲ ص ۵۵۵

[2] ایضاً

شرعی نظام اور اسکی

حضرت مولانا محمد حسن جان
استاذ حدیث دارالعلوم حقانیہ

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین"

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور حکمت کے ماتحت دو قسم کے نظام پیدا کئے ہیں۔ ایک تکوینی نظام اور دوسرا تشریعی نظام۔ تکوینی نظام کے دو حصے ہیں علویات اور سفلیات۔

علویات: تکوینی نظام میں یہ کرۂ عالم ہے۔ جس میں ہر چیز عجائبات وغرائب کا آئینہ دار ہے اور خداوند قدوس کی معرفت اور اس کی حکمت وقدرت کی ایک ضخیم کتاب ہے۔

~ برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار   ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

کارخانۂ عالم اگر آپ اندھیری رات میں اس نیلگوں آسمانی فضاء پر نظر ڈالیں تو آپ ان اَن گنت ستاروں کی تعداد اور روشنی سے اس یقین محکم پر مجبور ہوں گے کہ واقعی اس عظیم الشان کارخانے کا بنانے اور چلانے والا اس کے پرزوں کو نہایت مضبوط ترتیب وسلیقہ سے جوڑنے والا اور ہزاروں اور لاکھوں برس سے ایک ہی انداز سے اس کی حفاظت کرنے والا بڑا زبردست حکیم وقدیر صانع ہے جس کے حکیمانہ تصرف اور نفوذ واقتدار سے اس کارخانے کا کوئی چھوٹا بڑا پرزہ بھی باہر نہیں۔ یہ کام یوں ہی بخت واتفاق یا بے شعور طبیعت اور اندھے بہرے مادہ سے نہیں ہو سکتا۔

اجرام فلکی کی تعداد قدیم یونانی سائنس دان اپنے رصدگاہوں اور تجربوں کے مطابق ستاروں کی تعداد پچیس[۲۵] ہزار تک بتلاتے رہے۔ پھر جدید دور کے سائنس دان اپنے ابتدائی تجربات کی روشنی میں ایک لاکھ تک بتلا گئے۔ پھر دس لاکھ تک تعداد بڑھانے لگے۔ آخر ایک کروڑ سے ایک سو ساٹھ کروڑ تک تعداد بڑھا دی اور اب کہنے لگے کہ ستاروں کی تعداد کے بارے میں ہم یقین کے ساتھ کچھ

نہیں کہہ سکتے۔ ممکن ہے کہ اس تعداد سے زیادہ ہوں۔

ستاروں کی روشنی بعض ستاروں کی روشنی ابھی تک زمین کو نہیں پہنچ سکی ہے۔ اس میں ایسے ستارے بھی ہیں جن کی روشنی ساٹھ ہزار (۶۰،۰۰۰) میل فی سیکنڈ کی رفتار سے زمین کی طرف آرہی ہے۔

ستاروں کا حجم عام ستاروں کے علاوہ بعض سورج سے بھی بڑے ہیں مثلاً قطبی ستارہ جو ہمیں سب سے چھوٹا ستارہ محسوس ہوتا ہے "جدی"، سورج سے چوّن ہزار گنا بڑا ہے اور خود سورج ہماری زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

ستاروں کی ضرورت ہر ایک ستارے میں کتنے عجائبات وغرائبات ہوں گے جو انسان کے تصوّر میں بھی نہیں آسکتے۔ سورج اور چاند وغیرہ کی روشنی اور گرمی خاص مقدار میں کرۂ ارضی کو محفوظ رکھتی ہے اور اگر اس مقدار میں ذرا بھی کمی بیشی آجائے تو کوئی جاندار بھی صفحۂ ارض پر زندہ نہیں رہ سکے گا۔ صرف سورج کی روشنی جو زمین تک پہنچتی ہے اس کا فی گھنٹہ وزن چار سو اسی من ہے۔ حالانکہ پوری دنیا کی مصنوعی بجلی کا وزن فی گھنٹہ چھ چھٹانک ہے اور اس کا خرچہ تقریباً چودہ کروڑ ڈالر ہے۔ اور اگر سورج کی روشنی ہمیں قیمتاً دی جاتی تو پوری دنیا کی دولت بھی سورج کی ایک گھنٹے کی روشنی کے لیے کافی نہیں ہوتی ہے۔

ہوا اسی طرح ہوا کو لیجئے جو تقریباً ہر انسان کے لیے روزانہ ۴۸ گیلن اوسطاً کی ضرورت ہے۔ اور انسانوں بلکہ تمام جانداروں کو مفت مل رہی ہے۔ یہ تھا علویات کا مختصر نقشہ۔ اور سفلیات کے بارے میں سنیئے

سفلیات :

عالم مشاہدہ سفلیات پر نظر ڈالیئے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ ۱۹۵۶ء کے مطابق دنیا میں فی گھنٹہ اوسطاً چھبیس ہزار انسان پیدا ہوتے ہیں جبکہ اموات اٹھارہ ہزار فی گھنٹہ اوسطاً واقع ہوتے ہیں۔ پھر ہر انسان کی شکل الگ، اور اخلاق، عمر، عقل وغیرہ ہر چیز کا فرق۔ یہ صرف رب العالمین کی ربوبیت کاملہ کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ ان سب کے لیے بچپن سے فنا تک اسبابِ حیات اور رزق مہیا کرنا یہ صرف اللہ تعالےٰ کا کام ہے اور انسانی قوت سے بالاتر ہے۔ اسی طرح تمام حیوانات بلکہ ہر ذرہ عالم خداوند قدوس کی حکمت و ربوبیت اور علم کا بڑا نظارہ پیش کرتا ہے۔ زمین پر ایسے خطے اب بھی موجود ہیں جہاں تک انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ یہ تو عالم مشاہدہ

کا حال ہے اور رہا عالم غیب جو ماوراء الحس ہے اور عام لوگوں کے نظر سے باہر ہے۔ مثلاً عالم ملائکہ و جن و ارواح وغیرہ ان کا کیا کہنا ہے؟ اس عالم مشاہدہ میں جو چیزیں پیدا ہوئی ہیں وہ کس عجیب ترتیب اور مناسبت کے ساتھ ہیں جس میں کسی خطا یا نامناسب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی ساخت اور شکل کو دیکھ لیجئے اور پھر بدن کا باطنی و ظاہری حصہ۔ آنکھوں کی بناوٹ اور پھر اس کی حفاظت کیسے ہوئی؟ اگر آنکھیں چہرے کے بجائے گردن یا پیٹھ میں ہوتیں یا دو کے بجائے ایک آنکھ ہوتی یا ٹھوڑی کے نیچے یا گالوں پر ہوتیں تو کتنی بھدی معلوم ہوتیں۔ اسی طرح ناک اگر پیشانی یا گالوں یا بدن کے کسی دوسرے حصہ میں ہوتی تو کتنی بری نظر آتی۔ اسی طرح تمام حواس اور ان میں جو قوتیں ودیعت کی گئی ہیں دنیا میں کوئی عاقل آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو اس عظیم تکوینی نظام میں انگشت نمائی کر سکے یا اس کا غلط ہونا اور دورِ جدید کے لیے غیر مناسب ہونا ثابت کر سکے۔

انسانی مصنوعات میں آئے دن تبدیلی ہوتی رہتی ہے مگر خدائی مصنوعات میں جو یہ تکوینی نظام ہے نہ غلطی کا امکان ہے اور نہ ہی اس سے بہتر نظام کا تصور ہو سکتا ہے۔

کیمونسٹ نظریہ پر رد

اب اگر کوئی کیمونسٹ یا دہری یہ نظریہ قائم کرے کہ یہ سب کچھ طبیعت کا اثر ہے اور اس کے لیے کوئی خالق نہیں۔ یعنی خدا کا انکار کرے تو ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ آخر طبیعت کیا ہے اور طبیعت ایک ہے یا مختلف اور متعدد اگر ایک ہے تو عجیب بات ہے کہ مؤثر ایک ہے اور آثار مختلف رونما ہوئے اور اگر طبیعتیں متعدد و مختلف ہیں تو پھر ان میں یہ اختلاف کس نے پیدا کیا ہوا ہے۔

ائمہ کرام کے مشاہدے

حضرت امام مالکؒ کے پاس ایک دہری آیا اور پوچھا کہ خدا کے وجود کی علامت کیا ہے؟ قریب ہی گلاب کے پھول کا درخت تھا آپ نے درخت کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ اس درخت میں ایک تنا ہے پتہ اور پھول ہے اور تینوں کے مختلف رنگ ہیں۔ حالانکہ زمین کی قوت سب کے لیے ایک جیسی ہے۔ پانی اور روشنی سب کو یکساں میسر ہے۔ ہوا تینوں کو برابر لگتی ہے لیکن اثرات مختلف رنگوں میں رونما ہوتے ہیں۔

امام شافعیؒ سے کسی نے خدا تعالیٰ کے وجود کی مثال چاہی آپ نے فرمایا یہ شہتوت کا درخت ہے اگر اسے شہد کی مکھی کھا جاتی ہے تو شہد پیدا ہو جاتا ہے اور اگر ریشم کا کیڑا کھا جاتا ہے تو ریشم بنا دیتا ہے اور اگر ہرن کھا جاتی ہے تو کستوری بن جاتی ہے۔ آخر یہ فرق کس نے پیدا کیا؟

تشریعی نظام۔

خالق کائنات نے انسان کی اختیاری زندگی بسر کرنے کے لیے دوسرا نظام پیدا فرمایا ہے جو انبیاء کرامؑ کی

کی وساطت سے دُنیا کو ملا ہے جسے ہم شریعت ، نظام مصطفیٰ اور اسلامی نظام وغیرہ کے مُبارک ناموں سے تعبیر کرتے ہیں ۔

انسانی زندگی کا تکوینی حصّہ انسان کے تین حالات تکوینی نظام کا حصہ ہیں ۔ ایک حصہ اختیاری ہے ۔ جس کے لیے تشریعی نظام نافذ کیا گیا ۔ انسانی زندگی میں تکوینی نظام کے تین حصے ہیں ۔ ایک پیدائش کی حالت سے کہ کس شکل میں پیدا ہُوا ۔ کہاں اور کیسے پیدا ہُوا ؟ دُوسرا پیدائش کے بعد کی حالت ۔ یہ زندگی اختیاری اور غیر اختیاری دو حصّوں میں منقسم ہے ۔ غیر اختیاری حصّہ جیسے مُدت عمر ۔ گرمی ، سردی ، بخار ، بڑھاپا وغیرہ تکوینی نظام سے متعلق ہے ۔ تیسرا حصّہ موت کی حالت کہ کہاں اور کیسے واقع ہوئی ؟ یہ دہریوں پر ایک زبردست رَدّ ہے ۔

خروشیف کا غلط خیال خروشیف نے رُوس میں اعلان کیا کہ مَیں نے خُدا کا تصور ختم کر دیا ہے کیونکہ انسان سے بڑی قوت کہیں ہے ہی نہیں ۔ تو خُدا کا کیا مطلب ؟ کسی نے جواب دیا کہ مختصر سمجھو کہ تمہارا باپ کس نے مارا ؟ ماں بیٹی وغیرہ کو کس نے موت کے گھاٹ اُتارا جبکہ آپ وزیراعظم ہیں اور اس وقت آپ سے بڑی قوت کوئی نہیں ۔ تو کون سی وہ عظیم قوت ہے جو آپ کے والدین وغیرہ کو مارتا ہے ۔ فبہت الذی کفر ۔

انسانی زندگی کا تشریعی حصّہ اللہ تعالےٰ نے ایک چوتھی حالت پیدا کی جو اختیاری زندگی ہے ۔ یعنی ایک اعضاء کی خلقت ہے جو تکوینی نظام کا حصّہ ہے اور ایک اُن کا استعمال ہے جس کے لیے تشریعی نظام بھیجا گیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ انسان نہ تو مجبور محض ہے اور نہ بالکل بااختیار اور آزاد ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور پُوچھا کہ مَیں مجبور محض ہوں یا بالکل بااختیار ۔ آپ نے سادہ اور حسّی جواب دیا اور فرمایا کہ ایک ٹانگ اٹھالو اُس نے اُٹھالی فرمایا اب دوسری ٹانگ اُٹھاؤ ۔ کہا اٹھاؤں تو گر جاؤں گا ۔ آپ نے فرمایا ۔ بس اتنا ہی اختیار ہے اور اتنے ہی مجبُور ۔

نظامِ شریعت کی تعریف اس نظام کا خلاصہ اور تعریف یہ ہے کہ خُدا اور مخلوق خدا کے حقوق جاننا ، ماننا اور پھر ادا کرنا ۔ اللہ تعالےٰ کی معرفت اور اُس کے حقوق جاننے میں چونکہ عقل کی رسائی ممکن نہیں اس لیے اس میں تعلیمات انبیاء کرام علیہم السلام کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا ۔ جو کہ اعراف الناس بربھم ہیں ۔ انبیاء کرام کیوں مبعوث ہُوئے ۔ انسانی حقوق اور معرفت کے لیے انبیاء کرامؑ مبعوث فرمائے گئے ۔ ملائکہ کو یہ ذمہ داری نہیں سونپی گئی اس لیے کہ ملائکہ اگر اپنی اصلی وجود میں ہوتے تو وہ انسان کو نظر نہیں آتے اور کسی حیوان کی شکل میں ظاہر ہوتے تو استفادہ کے لیے مناسبت ضروری ہے اور وہ نہ ہوتی

اور اگر انسانی شکل میں ہوتے تو اگر کھانے پیتے تو وہی انبیاء کرام ہیں اور اگر انسانی ضروریات سے پاک ہوتے تو ان چیزوں میں ان کا اتباع کیسے ہوتا؟ اللہ تعالےٰ نے انبیاء کرام بھیج دیئے تاکہ انسانوں کے لیے پوری زندگی میں مثالی نمونے بن جائیں۔ اور خوشی و غم اور جہاد وغیرہ کے علاوہ معاشرت میں بھی اُن کا اتباع ہو سکے۔

چنانچہ انبیاء کرام علیہ السلام اور اُن کے وارثین علماء ربانین کے بیان کئے بغیر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ "لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ" ۔ ہر فن کے لیے اُس کے ماہرین ہی چاہئیں۔ مضر صحت غذاؤں اور موسم اور فضاؤں کے اختلاف سے صحت کے علاج معالجہ کے لیے ماہرین طب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح عقائد، اعمال اور اخلاق کی صحت کی خرابی کے لیے اور اس کے علاج و تربیت کے لیے اسی سے متعلق ماہرین کی طرف جانا پڑتا ہے جو انبیاء کرام علیہ السلام اور اُن کے جانشین و وارثین علماء حق کہلاتے ہیں۔

عقل دستورِ زندگی تیار نہیں کر سکتی

بعض لوگ اس خام خیال میں مُبتلا ہیں کہ زندگی کا طریقہ عقل سے معلوم کر لیں گے انبیاء کرام کی کیا ضرورت؟ لیکن ہمارے بزرگ علماء کے خیال میں یہ نظریہ غلط ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ عقل مختلف اوقات میں خارجی اثرات سے متاثر ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ دُنیا والوں کے عقول مختلف ہیں۔ ہر ایک اپنے زاویۂ فکر پر سوچتا ہے۔ عقل کی تو حالت یہ ہے کہ ہندوستان کے سب سے پہلے صدر ڈاکٹر رام چند پرشاد "ادم" کی عبادت کرتا تھا۔ "ادم" عورت اور مرد کے عضو خاص کا نام ہے۔ مہادیو اور پاربتی کے مجسمے بنائے جاتے تھے اور اُنہیں سجدہ لگاتے تھے حالانکہ دوسری قومیں اس کے اظہار کو موت سمجھتی ہیں۔

جاپان جو صنعتی دُنیا میں امریکہ اور یورپ کو بھی مات کر گیا ہے۔ لیکن شاہی خاندان کی حالت دیکھئے کہ شہزادہ مچیکو اور اس کی والدہ کتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ ذرا بتایئے کہ یہ عقل بھی کوئی قانون زندگی تیار کر سکتی ہے؟

لیکن انبیاء کرام علیہ السلام جو ان عام چیزوں سے متاثر نہیں ہُوا کرتے بلکہ ہر طرح سے معصوم و مامون ہیں اور اُن کی تعلیمات میں بنیادی طور پر کوئی اختلاف نہیں ہے اس لیے اُن کا دامن تھامے بغیر اور ان کا اتباع کئے بغیر کبھی کامیاب زندگی میسر نہیں ہو سکتی اور نہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ انبیاء کرام کی تعلیمات علماء کرام کے ذریعے ہی قوم کو پہنچ جاتی ہے۔ اسی لیے اُن کا اتباع بھی انبیاء کرام اور شریعت کا اتباع کہلاتا ہے۔

اسلام اور دیگر نظام ہائے زندگی میں تفاوت تشریعی نظام جو خداوند قدوس کی طرف سے انبیاء کرام کے ذریعہ سے دُنیا کو ملا اور بالخصوص ہماری شریعت جو سید الاوّلین والآخرین کی وساطت سے خیرالامم کو ملی ہے ۔ یہ تمام انسانی نظاموں اور ازموں سے اعلیٰ ہے۔ بلکہ وہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ۔جس کے لیے بطور اختصار مندرجہ ذیل وجوہ ملاحظہ کیجئے :۔

پہلی وجہ : تشریعی نظام خداوند قدوس کا بنایا ہُوا نظام ہے اور باقی نظام ہا اور ازم انسانی خیالات کا نتیجہ ہیں ۔ ظاہر ہے کہ جب بنانے والوں میں کوئی مناسبت نہیں تو اُن کے بنائے ہُوئے نظام بھی آپس میں کوئی مناسبت نہیں رکھتے ۔

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

دوسری وجہ :۔ انسانی علم محدود ہے اور انسان دُنیا کی ضرورتوں حتیٰ کہ انسانیت کے تقاضوں سے بھی پُوری طرح واقف نہیں ۔ اس لیے انسان کے عقل سے تیار کردہ نظام میں نقص ہوگا اور انسانی ضرورتوں اور تقاضوں کے لیے پُورا اور مُفید نہ ہوگا جبکہ اُس کے مقابلے میں اللہ تعالےٰ کا علم غیر محدود ہے ۔ وہ انسان بلکہ تمام عالم کا خالق ہے اس لیے اُسے عالم انسان اور اُس کے تمام تقاضوں کا پُورا پُورا علم ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس کا نظام تمام ضروریات پر محیط ہوگا اور اس میں کسی قسم کی کمی یا نقص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

ماہرین طب کہتے ہیں کہ ہم انسانی امراض کا سولہ آنے میں سے چھ آنے بھی معلوم نہیں کر سکے ہیں ۔ اور دوسرا حکیم کہتا ہے کہ انسانی امراض کی ہم تین فیصد تشخیص بھی نہیں کر سکے ہیں ۔

تیسری وجہ :۔ انسان زیادہ سے زیادہ اپنے زمانے ، اپنے وطن اور اپنی ہی قوم کے حالات سے واقف ہوتا ہے ۔ اس لیے اس کا نظام صرف اپنے زمانہ ، اپنی قوم اور اپنے وطن ہی کے لیے مفید رہ سکتا ہے ۔ مگر اس میں بھی زمانہ قوم اور وطن کی تبدیلیوں کے ساتھ تبدیلیاں لانی پڑتی ہیں ۔ اس کے برعکس اللہ تعالےٰ حال ، ماضی اور مستقبل تمام زمانوں کا عالم ہے اور تمام اوطان و اقوام کے حالات کو ہر وقت جانتا ہے ۔ اس لیے اس کا نظام ابدی اور جملہ اقوام و اوطان کے لیے کارگر ہوگا جس میں تبدیلی کی ضرورت نہ ہوگی ۔ البتہ اگر اللہ تعالےٰ خود ہی کسی قوم یا زمانے کے لیے خاص کر دے تو یہ اور بات ہے ۔

چوتھی وجہ :۔ انسانی نظام خواہ وہ شخصی ہو یا پارلیمانی اپنی پارٹی اور قوم سے متاثر ہوتا ہے اس میں ضرور اپنی پارٹی یا اپنے گروہ کا زیادہ لحاظ ہوگا ۔ جبکہ اللہ تعالےٰ ان تمام چیزوں سے

بالاتر ہے اس کا کسی سے قومیت وطنیت کا علاقہ نہیں۔ اس لیے اس کے نظام میں یہ خامیاں ہرگز نہیں ہوں گی۔

پانچویں وجہ :- تمام انسانی نظام دنیا کی چند روزہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ کا نظام دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے۔

چھٹی وجہ :- انسانی نظام صرف بدن کی اصلاح کرتا ہے اس کے مقابلے میں اللہ تعالےٰ کا نظام روح اور بدن دونوں کی اصلاح کرتا ہے۔ جو انسان کی حقیقت کے اہم حصے ہیں اور دونوں میں اعلےٰ جزء روح ہے۔ جو انسانیت کا حقیقی مصداق ہے اور بدن کی مثال تو اس کی لباس کی ہے۔ اس لیے شرعی نظام میں عقائد، اور عبادات، معاملات، اخلاقیات اور فضائل وغیرہ سب شامل ہیں جو باقی نظاموں میں نہیں ہیں۔

ساتویں وجہ :- ہر نظام کی صحت کو معلوم کرنے کے لیے دو چیزوں کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ اوّل یہ کہ وہ نظریہ جس پر ایک نظام کی بنیاد رکھی جاتی ہے غلط ہے یا صحیح ہے۔ دوم اس کی حکمت عملی کہ کس حد تک ملک و قوم کے لیے امن و سکون اور خوشی کا ضامن ہے۔

شرعی نظام کے علاوہ تمام ازموں اور نظاموں کی بنیاد غیر فطری اور ناقص نظریہ پر رکھی گئی ہے۔ مثلاً سوشلزم کا نظریہ معاشیات کی بنیاد پر ہے اور صرف پیٹ کا مسئلہ حل کرتا ہے اور جو خالق کائنات کے انکار پر مبنی ہے۔ اور چونکہ اس کی حکمت عملی تکوینی نظام اور فطری نظریہ کے مخالف اور متصادم ہے اس لیے یہ نظام کسی بھی قوم کے لیے خوشی اور امن وسکون یا خوشحالی کا ضامن نہیں ہو سکتا ہے۔ البتہ چند لٹیروں اور چوروں کی حوصلہ افزائی کر سکتا ہے۔ جو پوری قوم اور وطن کے لیے خون خرابہ اور فساد کا باعث ہوگا۔

آٹھویں وجہ :- دنیا کے تمام انسانی نظاموں میں جو مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں اور جو کسی حد تک انسانی معاشرہ کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے وہ سب اعلےٰ معیار میں شرعی نظام میں موجود ہے۔ اور جو نقصانات دوسرے نظاموں میں ہیں اسلام ان سے بالکل پاک اور مبرا ہے۔ عقائد اور عبادات اور اخلاق کے علاوہ تعزیرات وحدود اور معاشی مسائل کے لیے جو قوانین وضع کیے گئے ہیں ان کی نظیر نہیں ملتی۔

تعزیرات وحدود کا مقصد | تعزیرات وحدود کا نظام پانچ چیزوں کی حفاظت کے لیے ہے :-

(۱) عقل (۲) نسب (۳) دین (۴) مال (۵) نفس

عقل کی حفاظت کے لیے جو انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ شریعت نے شراب اور دیگر منشیات کے استعمال پر پابندی عائد کر دی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے حد اور تعزیر مقرر کر دی ہے۔ اسی طرح نسب کی حفاظت کے لیے شریعت نے پردہ لازمی قرار دیا ہے۔ اور جنسی اختلاط اور آوارہ گردی وغیرہ تمام بے حیائیوں پر پابندی لگا دی ہے اور اس کی مخالفت کرنے والوں پر حدود اور تعزیرات مقرر کی گئیں ہیں۔ ورنہ کچھ معلوم نہ ہوگا کہ یہ کس کا بیٹا ہے۔ اس لیے ایک انگریز مفکر گبن کہتا ہے کہ :-

"یورپ کی آبادی پینتالیس کروڑ ہے لیکن اس میں ۵۴ لڑکے ایسے نہیں ملیں گے جو صرف اپنے باپ کی اولاد ہو اور ۵۴ لڑکیاں ایسی نہیں ملیں گی جو بلوغ سے پہلے پاک رہ گئیں ہوں"

اور ایک جرمن عورت اسی لیے یہ کہنے پر مجبور ہوئی کہ "کاش! میں اسلامی خاندان میں پیدا ہوتی"

دین : جو تمام عقائد، اخلاق اور اعمال کا نام ہے کی حفاظت کے لیے مرتد کی سزا قتل مقرر کی گئی ہے۔

مال : کی حفاظت کے لیے چوری، دغابازی، اور جوا وغیرہ ممنوع قرار دیا گیا ہے اور ایسے جرائم پر حدود و تعزیرات نافذ کی جاتی ہیں۔ ایک ملحد نے چور کے ہاتھ کاٹنے کی حد پر اعتراض کیا ہے کہ ہاتھ کی قیمت تو پانچ ہزار روپے ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے تو دس روپے چوری کرنے پر اور اس پر تعجب کیا ہے :

یدبخمس مأ ئین عسجد ودیت ۔۔۔ ما بالها مقطوعة فی ربع دینار

لیکن علماء نے اس کا جواب دیا ہے :

عز الامانة اغلاها و ارخصها ۔۔۔ ذل الخیانة فانظر حکمة الباری

یعنی لما کانتا امینتین کانتا ثمینتین و لما خانتا هانتا "یعنی امانت دار مظلوم ہاتھ کی قیمت اور دیت پانچ ہزار ہے جبکہ ظالم خائن ہاتھ دس روپے کے بدلہ میں کاٹا جاتا ہے۔

نفس کی حفاظت کے لیے قانون قصاص ہے۔ جو معاشرے کی پُر امن زندگی کا ضامن ہے۔ اس شرعی نظام سے دوسرے نظاموں کا موازنہ کیجئے اور جہاں شرعی نظام نافذ نہیں ہے وہاں مختلف قسم کے جرائم کا اندازہ لگائیے۔ تو سوچنے کے لیے بھی وقت درکار ہے۔ یقین کیجئے کہ شرعی نظام کے حدود و تعزیرات میں جو امن و سکون اور ان پانچ چیزوں کی حفاظت کے لیے ضمانت ہے۔ وہ کسی بھی نظام میں نہیں۔

اسلام میں معاشیات کا نظام

اسلام میں جہاں تک معاشیات کے نظامِ حیات کا تعلق ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اسلام کا معاشی نظام مؤاسات، ہمدردی اور اخوت پر مبنی ہے۔ اسلام نے مال داروں پر فقیروں اور مساکین کے لیے معدنیات میں سے پانچواں حصّہ۔ زمین کی پیداوار سے دسواں حصّہ اور بیسواں حصّہ۔ اور تجارت میں چالیسواں حصّہ سالانہ مقرر کیا ہے۔ اس کے علاوہ فطرانہ، قربانی اور نذر و کفارات ہیں جن کے ذریعے دولت ہمیشہ غریبوں اور امیروں میں تقسیم ہو کر گردش کرتی رہتی ہے اور اس بنیادی نکتہ مؤاسات اور ہمدردی سے محبّت اور عدل و انصاف کی فضار قائم رہتی ہے۔ اسلام نے خرچ اور آمد دونوں کے لیے اصول مقرر کئے ہیں جن سے ظلم، عداوت اور مطلق العنانی وغیرہ خود بخود ختم ہو جاتے ہیں جو کہ دوسرے نظاموں میں پائے جاتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کے چند اصول

نظامِ شریعت کی دعوت اور اس کے اجرار کی جد وجہد کے لیے تین اصول مدّ نظر رکھنے چاہئیں۔ اور یہ تینوں اصول قرآن کریم سے مستنبط ہیں اور انبیار کرام کا معمول رہ چکے ہیں۔

پہلا اصول:۔

سب سے پہلا اصول علم ہے۔ شریعت کے علم کے حاصل کئے بغیر آپ اس کے محاسن اور فوائد کو نہ تو خود جانتے ہوں گے اور نہ دوسروں کو بتلا سکتے ہوں گے۔ اس طرح کسی اعتراض اور ردّ و قدح کا جواب بھی نہیں دے سکتے۔ یہ اصل میں قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله علىٰ بصيرة انا ومن اتبعني وسبحان الله وما انا من المشركين (سورۂ یوسف)

"تو کہہ دے کہ یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر اور جو میرے ساتھ ہیں اور پاکی ہے اللہ کی۔ اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں"۔

دوسرا اصول:۔

دوسرا اصول دعوت کا حکمت ہے۔ دعوت و اصلاح میں ہوشیاری اور دانائی سے کام لینا، اور ہر قوم کو اُن کے فہم و عقل کے مطابق سمجھانا پڑتا ہے۔ یہ اصل اس آیت کریمہ سے ماخوذ ہے:

ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن

باقی صفحہ پر

جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن شاہ ولی صاحب

یوم میلادالنبیؐ وہ مبارک دن ہے جس میں محسن کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تاریخ کی اس نازک موقعہ پر آج کے دن ہر مسلمان کو اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ اسلام کی آمد سے دنیا کی حالت دگرگوں کیوں ہوئی؟ اور انتہائی کمزور اور ضعیف بے وسائل اقوام اس کے اپنانے سے کیونکر طاقتور بن گئیں؟ اور ذہنی فکری انقلاب کے علاوہ ان میں قیادت کی صلاحیتیں کس طرح یکدم رونما ہوئیں؟ پورا عالم جو کہ ظلم و فساد و بے راہ روی سے دوچار تھا اور ہر طرف ذہنی بیماری اور جہالت اور غلامی کا دور دورہ تھا وہ یکدم کیسے بدلا؟ اور بیمار ذہن کیونکر نہ صرف صحت یاب ہوئے بلکہ اس کے عیوب خوبیوں میں بدل گئے۔ اور انسانیت کی اصلاح کی جدوجہد کی قیادت کرنے لگے؟ یقیناً آپ ان سوالات کے جواب میں میرے ساتھ اتفاق کریں گے کہ یہ فکری، معاشی، معاشرتی اور سیاسی انقلاب اس ابدی کتاب قرآن کریم کی تعلیمات کو اپنانے کا نتیجہ تھا جواب بھی ہمارے پاس موجود ہے۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اس کتاب کو سمجھانے اور اس کو عملی شکل دینے کے لیے تشریف لائے تھے اور جب اُن کا یہ کام پورا ہوا تو آپؐ واصل بحق ہوئے۔ آپؐ کی بعثت اور قرآن کے نزول کا مقصد اور غایت قرآن نے خود یہ بتایا ہے کہ پیغمبرؐ تم کو زندہ کرنے آئے ہیں۔ اس کی تفصیل آپ علامہ اقبال اور دوسرے اکابر اُمت کے ہاں پائیں گے جنہوں نے یہ بات بخوبی واضح کر دی ہے کہ قرآن زندگی دینے والی کتاب ہے اور قرآن سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔

علامہ قرآن کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فاش گویم آنچہ در دل مضمر ست — ایں کتابے نیست چیزے دیگر ست
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود — جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

خود قرآن نے ان لوگوں کو جو حق سے اجنبیت کے باوجود حق کے دعوے دار ہیں اُنہیں ٹیک لگاکر کھڑی کی گئی لکڑی سے تشبیہہ دی ہے۔

بہرحال اس ابدی زندگی اور عزت اور قوت کا راستہ پیغمبر اسلام نے پوری طرح واضح کرنے کے بعد خلقِ خدا کو ہدایت اور دعوتِ حق کی امانت امت کے امین ہاتھوں میں دیا۔ آپ کے بعد صحابہ کرام اسی راستہ پر گامزن رہے اور اُنہوں نے زندگی کے ہر میدان میں وہ کامیابیاں حاصل کیں جس نے پوری انسانیت کو حیرت اور تعجب میں ڈال دیا۔ اب ہم اس دعوت اور ہدایت کے وارث ہیں لیکن بدقسمتی سے ہماری اپنی حالت زندگی کے ہر شعبے میں اتنی مخدوش اور ناگفتہ بہ ہے کہ ہم دُوسروں کو ہدایت اور دعوت تو درکنار اپنی مُشکلات پر قابو نہیں پا سکتے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے تعلیماتِ اسلام کو نظر انداز کیا۔ اپنے وجود اور قومی تشخص سے غفلت برتی۔ حالانکہ قرآن نے ہم کو غفلت سے روکا ہے[1]۔ اور غفلت کی سزا ذلت کی آگ میں جلنا بتایا[2]۔ پیغمبر اسلام جن کی زندگی ہمارے لیے بطور نمُونہ پیش کی گئی ہے ہم نے اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم نے آپؐ کے ارشادات پر عمل نہیں کیا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ دین اچھے اخلاق کا نام ہے اور دین بہترین لین دین ہے اور دین امانت داری ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے اخلاق، لین دین اور امانت داری کا جائزہ لیں تو یقیناً ہم کو اپنے مُسلمان ہونے کا اندازہ ہو گا۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دھوکہ اور ملاوٹ میں ملوّث ہے وہ ہم میں سے نہیں۔ آپؐ نے ہم کو احساسِ ذمّہ داری دلاتے ہوُئے فرمایا ہے کہ "تم میں سے ہر ایک شخص حاکم ہے اور اُس سے اُس کی رعیّت کے بارے میں پوُچھا جائے گا"۔

اگر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی سیرت کی روشنی میں ہم میں سے ہر ایک شخص اپنی زندگی اور کردار پر نظر ڈالے اور اپنا محاسبہ کرے اور پھر اچھے اخلاق کو اپنائے۔ لین دین میں صفائی، معاملات میں امانت داری، اور احساسِ ذمّہ داری کو اپنائیں تو یقیناً بہت کم وقت میں ہم ذہنی اور اخلاقی انقلاب برپا کرتے ہوئے اپنے معاشرے کو بدل سکتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ ذہنی انقلاب کے بغیر کوئی دُوسرا انقلاب نہ کامیاب ہوسکتا ہے اور نہ ہی دیرپا ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر ہم اپنے اسلاف کی طرح عزّتِ نفس کو برقرار رکھتے ہوُئے دُوسروں کے حقوق اور

---

[1] ولا تکن من الغافلین۔

[2] ان الذین ھم عن آیاتنا غافلون اولئک ماواھم النار بما کانوا یکسبون۔

عزت کا بھی لحاظ رکھیں اور اپنے اندر جذبہ ایثار پیدا کر کے خود غرضیوں کو بالائے طاق رکھ دیں تو ہم یقیناً ایک باعزت اور طاقت ور قوم کی حیثیت سے خوشحال زندگی گزار سکتے ہیں۔

ہمارے اسلاف کی کامیابیوں کا راز یہی تھا کہ وہ عملی قرآن تھے۔ وہ سیرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں زندہ رہیں۔ وہ آپس میں نرم اور دشمن[1] کے مقابلہ میں سخت تھے۔ اگر ہم بھی یہی کردار اپنائیں تو ہم کو بھی وہی کامیابیاں حاصل ہو سکتی ہیں۔

اسلام جن حالات میں انسانیت کی اصلاح کے لیے آیا تھا تقریباً اسی قسم کے حالات آج بھی دُنیا کو درپیش ہیں اور اسلام نے جس طرح اس وقت انسانی دُکھ اور تکلیف کا علاج کیا تھا وہ آج بھی کر سکتا ہے۔ اسلام کو اپنانے سے جس طرح ماضی میں کمزور طاقت ور ہوئے، بے علم علم و دانش کے سرچشمہ بنے اور تند و سخت اور درشت اخلاق کے مالک انسانوں کے لیے اچھے اخلاق کا نمونہ بنے اس طرح آج بھی یہ ہو سکتا ہے۔ لیکن بشرطیکہ ہم اسلام کو عملی طور پر اپنائیں اور دوسروں کے لیے نمونہ بنیں۔ صرف زبان سے اقرار اور دعوے اور عمل اور قول میں تضاد خدا تعالےٰ کے ہاں انتہائی غضب کا سبب بنتا ہے[2]۔ اسی لئے تو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ اگر اپنے اسلاف کی عزت اور طاقت کی تلوار چاہتے ہو تو اُن کے کردار کے بازو بھی پیدا کرو۔

اگر ہم چاہیں کہ ہم صرف زبانی دعوئے اسلام سے طاقت ور اور سرخ رو ہوں اور اپنے اسلاف کا مقام حاصل کر لیں تو ہماری یہ خواہش اس لیے پُوری نہیں ہو گی کہ یہ قرآن کے اصولوں سے ٹکراتی ہے۔ قرآن نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ "اللہ ایمان داروں اور اچھے کردار والوں سے زمین میں فساد برپا کرنے والوں جیسا سلوک نہیں کرتا اور نہ ہی بہتر کردار والوں سے بدکردار لوگوں جیسا معاملہ کرتا ہے[3]۔ اسی طرح قرآن کا ارشاد ہے کہ "کیا بُرائی کرنے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ خُدا ان کے ساتھ زندگی اور موت کی حالت میں ایماندار اور اچھے کردار والوں جیسا سلوک کریں گے۔ یقیناً ان کا یہ خیال بہت ہی بُرا ہے[4]"۔ اگر ہم اپنے نجی اور

---

[1] محمد الرسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم الخ

[2] لم تقولون مالا تفعلون الخ

[3] ام نجعل الذین آمنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار۔

[4] ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلھم کالذین آمنوا وعملوا الصالحات سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون ٭

اجتماعی زندگی سیرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بسر کرنے لگ جائیں تو ہم یقیناً اپنا رفتہ مقام بآسانی حاصل کر سکتے ہیں۔ آج دُنیا نے بڑی ترقی کی ہے لیکن اخلاق کا میدان اب بھی مسلمانوں کی رہنمائی کا محتاج ہے اور اس میدان میں انسانیت کی رہنمائی مسلمانوں کا فریضہ ہے۔

آج عالم اسلام اور پاکستان ہر قسم کے وسائل سے مالامال ہے۔ ہم تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔ لیکن ہم کو اتحاد، ایثار، محنت اور بہتر کردار کی ضرورت ہے۔ جب تک ہمارے اندر فکری انقلاب برپا نہیں ہوتا اور ہم میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر درست نہیں ہوتا۔ اس وقت تک معاشرے کی اصلاح کی خاطر چاہے کوئی بھی تدبیر کی جائے وہ بے کار رہے گی۔ ہماری عزت اور طاقت کا راستہ سیرت رسول سے رہنمائی حاصل کرنے اور اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ "جو لوگ توبہ کر کے گناہ کو چھوڑ جاتے ہیں تو اُن پر خیر و برکت کی بارش ہوتی ہے اور ان کی طاقت بڑھائی جاتی ہے[1]" اور جن کو اللہ بے عزت کرتا ہے تو ان کو عزت دینے والا کوئی بھی نہیں[2]۔ کیونکہ عزت اور ذلت خدا ہی کے ہاتھ میں ہے[3]۔ اس طرح قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ تفرقہ اور اختلاف اور جھگڑے ناکامی اور شکست کا سبب ہے[4]"۔ ہمیں اسلام نے یہ اصول دیا ہے کہ جو لوگ اچھا کام کریں گے تو اُن کو بہتر جزا ملے گی اور وہ ہرگز ذلیل اور خوار نہ ہوں گے لیکن جو لوگ بُرے کام کریں گے تو ان کو ذلت اور خواری کا سامنا کرنا پڑے گا[5]۔

قرآن کریم کے ان ارشادات پر غور کرنے سے ہم پر اپنے اسلاف کی قوت اور کامیابی اور اپنی ہماری کمزوری اور ناکامی کا راز بخوبی عیاں ہوتا ہے۔ اس لیے اگر ہم کو قوت، عزت اور سرخروئی کی ضرورت ہے تو ہم کو اخلاق، ایثار، اتحاد اور محنت کو اپنا کر سیرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور تعلیماتِ اسلام پر عمل کرنا چاہیئے۔

---

[1] سورہ ہود۔ ۵۲ ۔ [2] سورہ الحج : ۱۸ ۔ [3] سورۂ فاطر : ۱

[4] سورہ آل عمران : ۱۵۲ [5] سورہ آل عمران : ۱۵۷ ؎

قحط الرجال کے اس پُرظلمت دور میں حضرت شیخ التفسیر مولانا محمد عبد اللہ صاحب بہلوی رحمۃ اللہ علیہ قرونِ اولیٰ کے اسلاف کی تصویر تھے جو اپنے عظیم اخلاقِ کریمانہ کے طفیل ہزاروں بھٹکے ہوئے انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔ آپ پنجاب کے عظیم روحانی علمی پیشوا سمجھے جاتے تھے۔

آپ ۱۳۱۳ھ بروز منگل یکم رمضان المبارک کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا محمد مسلم رحمۃ اللہ علیہ بہلی تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان کے ایک نیک سیرت بزرگ تھے۔ آپ نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالےٰ نے مجھے نرینہ اولاد بخشی تو اس کو علمِ دین پڑھاؤں گا۔ چنانچہ آپ کو علاقہ کے مشہور بزرگ مولانا محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے تحصیل علم کے لیے بھیج دیا گیا۔ آپ نے قرآن حکیم کے حفظ کرنے کے بعد دینی کُتب شروع کیں۔ نور الانوار، شرح وقایہ تک کُتب پڑھ کر وہاں کے مشہور عالم نحوی عالم مولانا غلام رسول پونٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ہدایہ حسامی، مشکوٰۃ شریف، قطبی سیبویہ تک پڑھیں۔ پھر دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے وہاں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں ترمذی شریف کے کئی اسباق پڑھے۔

حضرت شیخ الہندؒ مکہ المکرمہ تشریف لے گئے تو آپ نے محدث کبیر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ اور سید اصغر حسین شاہ صاحب کی خدمت میں اکتساب علم کیا۔ کچھ معقول اور فلسفہ کی کتب حضرت جامع المعقول والمنقول مولانا محمد امیر دامانی کی خدمت میں میر زاہد ملا جلال قاضی مبارک شمس بازغہ شرح چغمینی تلویح پڑھیں۔ تعلیم حاصل کر کے گھر آ گئے۔ بزرگوں کی نصیحت کے مطابق توکلاً علی اللہ تدریس کا کام شروع فرمایا۔ ابتداء میں مدرسہ اور مسجد کے لیے چھپروں کا انتظام کیا۔ چالیس سال تک بلا تنخواہ دینی علوم کی خدمت کرتے رہے۔

اکتساب فیضِ روحانی

حضرت بہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میرے والد نے میری ابتدائی تربیت فرمائی۔ حق العبد سے کافی اجتناب کراتے تھے۔ جیسے بچپن میں لڑکے پرائی گندم سے خوشے توڑ لیتے ہیں مَیں اُن سے دُور رہا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والد کی تربیت سے عباداتِ الٰہیہ کا بچپن ہی سے شوق تھا اور توحید کی طرف فطرتًا رجحان تھا۔ بدعات، رسوماتِ باطلہ قبر پرستی سے سخت نفرت تھی۔ مولانا غلام صدیق صاحبؒ راجن پوری جو حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی کے استاذِ حدیث تھے اُن کی رفاقت میں دیوبند میں سید اصغر حسین محدّث دیوبند تھے اور مادری ولی تھے اُن کی صحبتِ بابرکت سے عمل بالسنّۃ کی طرف زیادہ شوق اور مداومت نصیب ہوئی۔ خُود نوشت سوانعمری فیضِ صمدانی میں فرماتے ہیں" دیوبند میں یاغستان کے مسمی مولانا مطیع اللہ صاحبؒ ایک صاحب کرامت اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ اُن کی صحبت میں دورۂ حدیث تک کافی فیوضات نصیب ہوئے۔ پھر علاّمہ الزمان محدث اُمت انور شاہ صاحب کشمیریؒ جیسے صاحب کمالات ظاہری و باطنی سے مزیّن تھے۔ اُن کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

دورہ حدیث دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد معقول کی کُتب پڑھنے کے لیے مولانا محمد امیر دامانی رحمۃ اللہ علیہ جو فانی فی اللہ، باقی باللہ بزرگ تھے ڈیرہ اسماعیل خاں کے قصبہ رودٌسلطان سے مراجعت فرمائی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد امیر دامانی سے سلسلہ بیعت میں داخل ہونے کی درخواست کی۔ حضرت استاذ العلماء مولانا محمد امیر دامانیؒ نے خلوت میں فرمایا۔ کانپور میں حضرت مولانا غلام حسین صاحب جو ابدال وقت اور ولیٔ کامل ہیں اُن سے سلوک سیکھیں۔ چنانچہ عریضہ لکھا۔ انہوں نے جوابًا فرمایا خدا طلبی بلا طلبی تم عالم ہو قرآن و حدیث پر جو کچھ ہو سکے عمل کرو۔ واپسی خط حضرت الاستاذ مولانا محمد امیر دامانی رحمۃ اللہ علیہ کو دکھایا۔ آپ نے فرمایا آئندہ مغرب کے بعد میرے ساتھ مراقبہ میں بیٹھا کریں۔ اور سلسلہ ارادت میں بھی داخل فرمایا۔

آپ کی توجہاتِ صالحہ سے چند دن کے اندر مکاشفات شروع ہو گئے۔ مُرشد کی صحبت کی تاثیر سے کشف قلوب کشف قبور نصیب ہُوا۔ چند دنوں کے اندر ولایت صغریٰ تک اسباق نصیب ہوئے۔ اس دوران ایک واقعہ پیش آیا۔ کسی مدرسہ کے دُشمن نے حضرت استاذ الکل مولانا محمد امیر دامانیؒ کے خلاف تھانہ میں چُغلی کھائی کہ اس علاقہ میں جو ڈاکے ہوتے ہیں اس میں مولانا کا دخل ہے۔ بدیں وجہ آپ کو گرفتار کر لیا۔ آپ نے حضرت بہلویؒ کو فرمایا میرے گھر کی خبر گیری کرنا۔ جب آپ گرفتار ہوئے تو مدرسے کے مہتمم نے تمام طلبا کو نکال دیا۔ حضرت بہلوی بھی گھر چلے آئے۔ مرشد کے اہل خانہ کی خبر گیری نہ کر سکے۔ فرمانِ مُرشد کی تعمیل نہ کرنے کی وجہ سے قلب کے اندر ایک اضطراب پیدا ہوا۔ پھر کسی کروٹ چین نصیب نہ تھا۔ شیخ سے دُوری کی وجہ سے طبیعت کے اندر سخت بے چینی تھی۔ مولانا اللہ دتہ ایک بڑے عالم کو حال سنایا۔ وہ قطب الاقطاب حضرت مولانا فضل علی قریشیؒ کی خدمت میں لے گئے۔

حضرت فیض علی قریشیؒ سے اکتساب فیض

آپ کو حقیقت حال سُنائی گئی ۔ حضرت قریشیؒ ایک صاحب تاثیر، صاحب جذب بزرگ تھے ۔ حضرت خواجہ محمد عثمان موسیٰ زئی شریف کے خلیفہ تھے ۔ سینکڑوں مُریدوں کو کشفِ انوار استغراق ہوتا تھا ۔ حضرت مسکین پُوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں اور مولانا محمد امیر دامانی ایک ہی شیخ کے خلیفہ ہیں ۔ اس جگہ سلوک سیکھنے میں کوئی نقص نہیں ۔ آپ نے ولایت کبریٰ تک اسباق دیئے اور طریق نقش بندی قادری میں خلافت بھی عنایت کی مگر حضرت فرماتے تھے کہ میرے دل کے اندر مُرشد کی جُدائی کا اضطراب قائم رہا ۔ اور خُدا طلبی کا ظہور ہُوا ۔

کاٹھیا واڑ میں مولانا امیر علی کی خدمت میں حاضری

آپنے پھر مولانا محمد امیر علی کی خدمت میں گجرات کاٹھیا واڑ کا سفر اختیار کیا ۔ انہوں نے توجہات صالحہ سے مستفیض فرمایا ۔ اور اجازت طریق کی مرحمت فرمائی لیکن اضطرابِ قلبی ختم نہ ہُوا ۔ فرماتے ہیں وہ مقامات جن کی طلب میں پریشان تھا وہ نہ ملنے سے قلق اور اضطراب زیادہ ہوگیا ۔

مولانا مُحمد عمر چشمہ شریف کی خدمت میں حاضری

بالآخر مولانا محمد عمر صاحبؒ کی خدمت میں جو کوئٹہ کے قریب چمن کے قریب ڈھاڈھر چشمہ شریف عازم سفر ہُوئے راستہ میں جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر لیے گئے ۔ جیل میں راتوں کو دُعا زاری اور گڑگڑاہٹ ہوتی ۔ کئی دن کے بعد کمشنر کوئٹہ کے پاس پیشی ہُوئی ۔ کمشنر کے دل میں رحم آیا اور چشمہ شریف کے جانے کی اجازت دے دی ۔ چشمہ شریف حاضری ہُوئی حضرت رحمۃ اللہ علیہ موجود نہ تھے ۔ عرض حال سُنایا اور قید کا ذکر بھی عرض کیا ۔ حضرت چشموی کے دل مبارک میں خیال آیا کہ احسان جتلاتا ہے آپ نے ناراضگی کے سامنے فرمایا کس نے خط لکھا تھا کہ آجاؤ ۔ آپ نے معذرت کی ۔ حضرت بہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کئی دن تک چشمہ شریف قیام کیا ۔ کُتب خانہ میں تمام دن دینی کُتب زیر مطالعہ رہتی تھیں ۔ ایک دن میرے سامنے خلوت میں تقریر فرمائی اور خوشخبری بھی سُنائی کہ تیرا مشرب محمدیؐ ہے اور فرمایا اب، تم اپنے مرشد کی خدمت میں جاؤ ۔

مولانا مُحمد امیر دامانی کی خدمت میں حاضری

فرماتے تھے ، ڈیرہ اسماعیل خاں میں حضرت مُرشد کی خدمت میں حاضری دی سر نیچے تھا ۔ بعد خجلت آنکھ کے سامنے آنکھ نہ ملا سکا ۔ آپ نے تسلی دی اور فرمایا جو ہونا تھا ہوگیا ۔ خدا طلبی بلا طلبی یاد دلائی ۔ خلوت خانہ میں بُلا کر سلسلہ عالیہ نقشبندیہؒ ۔ قادریہؒ چشتیہؒ ، سہروردیہؒ ، کبرویہؒ ، قلندریہؒ ، شطاریہؒ ۔ سات سلاسل کی خلافت بخشی ۔ اور نصیحت فرمائی تو رند بننا ۔ تعجب ہُوا کہ رند تو بھنگی ، نشئی ، افیونی ہوتے ہیں ۔ تشفی کے لیے عرض کیا ۔ حضرت ! رند تو بے دین لوگ ہوتے ہیں ۔ فرمایا ۔ نہ ! نہ ! جو تجھے تکلیف دے احسان سے پیش آنا ۔ جو تجھے گالی دے دُعا کرنا ۔

واعف عنّی ظلمات واحسن۔ من اساء الیک ۔ پھر عرض کیا حضرت ! نہ تو سیّد زادہ ہوں نہ پیرزادہ ہوں۔ بدعت سے نفرت ہے ۔ توحید سے محبت کی وجہ سے پورے علاقہ میں وہابی مشہور ہوں ۔ فرمایا ۔ نہیں لوگوں کو اللہ اللہ سکھائیں ۔ گھر آکر تعمیل فرمان کی کسی کو از خود ذکر بتایا ۔ ذکر جاری ہُوا ۔

مولانا محمد امیر دانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دُوسرا سفر

پھر مولانا محمد امیر دامانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلہ کی شہرت کا حال سُنایا ۔ آپ بہت خوش ہوئے اور وصیّت فرمائی کہ اگر تصوّف میں کوئی عقدہ حل نہ ہو تو مولانا حسین علی واں بھچراں کے پاس چلے جانا وہ وقت کے قطب زماں ہیں ۔

مفسّر قرآن مولانا حسین علی کی خدمت میں حاضری

فرماتے تھے مولانا محمد امیر دامانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات ہوئی ۔ تین چار ماہ کے بعد ایک عقدہ پڑ گیا اُس کے حل کے لیے واں بھچراں رئیس المفسرین مولانا حسین علیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ آپ نے فرمایا جب تک دورہ تفسیر قرآن میرے پاس نہ پڑھو گے عقدہ کشائی نہ ہوگی ۔ چنانچہ دورہ تفسیر پڑھا تو پھر آنکھ کھُلی کہ ہم تو کئی مُدت جلالین شریف پڑھاتے رہے مگر ہمیں تو اب تک قرآن مجید سے مس تک بھی نہیں ہُوا ۔ پھر عقدہ کشائی فرمائی اور چار سلاسل نقشبندیہ ، قادریہ ، سہروردیہ اور چشتیہ کی اجازت بخشی ۔ گھر آکر آپؒ نے تفسیر قرآن طلبار و فضلار کو پڑھانا شروع کیا ۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مولانا تاج محمود امروٹی کی خدمت میں

حضرت بہلویؒ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی خدمت میں ایک سال تک لاہور میں تفسیر قرآن پڑھی اور حضرت لاہوریؒ سے اپنے اضطراب اور سلوک سے تعلق کا حال سُنایا آپ مجھے اپنے مرشد حضرت تاج محمود امروٹی کی خدمت میں لے گئے ۔ آپ صاحب بصیرت اور کشف و کرامت والے بزرگ تھے ۔ حضرتؒ انگریز کے سخت مخالف تھے اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے ۔ اس وقت نہر کی کھدائی جاری تھی ۔ مسجد سامنے آتی اور حکومت کے نقشہ میں مسجد شہید ہوتی تھی ۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کا حکم دے دیا کہ یا تو نہر کا رُخ بدل دو یا جنگ کرو ۔

آپ نے اپنے مریدین و متعلقین کو بُلایا ہوا تھا ۔ حضرت فرماتے تھے میں بھی اُنہی ایام میں حاضر ہُوا ۔ آپ نے تمام مریدین میں اعلان جنگ کا حکم دیا اور فرمایا کون شخص جان دینے کے لیے تیار ہے ؟ حضرت فرماتے تھے قرعہ اندازی کی گئی تو میرا نام دُوسرے نمبر پہ آیا ۔ حضرت امروٹی نور اللہ مرقدہٗ نے خلوت میں بُلایا ہزاروں نوازشات فرمائیں ۔ دستر خوان پر اکٹھے کھانا کھلایا ، سرکار انگریز نے نہر کا رُخ تبدیل کر لیا جنگ تک نوبت نہ

آئی ۔ حضرت امروٹیؒ نے قادریہ سلسلہ کے بہت سے اذکار بھی ہزاروں نوازشات کے ساتھ عنایت فرمائیں اور سلسلہ قادریہ میں اجازت بھی عنایت کی ۔

سفرِ حج میں ایک شیخ کامل عارف باللہ کی عنایت

حضرت بہلویؒ فرماتے تھے پھر دوسرے سال سفرِ حج کا اتفاق ہُوا۔ مکۃ المکرمہ میں رہا کرتا تھا۔ مقامِ ابراہیم کے قریب ایک شخص باکمال عارف باللہ نظر آئے۔ انہوں نے معرفت اور تصوف کی تقریر فرمائی۔ فرمانے لگے میں نے کئی حسین باکمال دیکھے تھے اور اُن کی خدمت میں رہ چکا تھا۔ اُن کی تقریر میں کئی اشکالات پیش کئے۔ بزرگ نے فرمایا یہ تقریر قالی ہے اگر حالی ہو تو خدشہ نہ ہوتا۔ کچھ دیر مراقب ہونے کا حکم دیا۔ فراغت کے بعد وہی تقریر دوبارہ دُہرائی تو کوئی اعتراض اور شبہ نہ رہا اور اُن کی تقریرِ مبارک اور توجہاتِ صالحہ سے سب اعتراضات کا خاتمہ ہوگیا اور اس بزرگ نے فرمایا کہ میرا نام اور پتہ کسی کو نہ بتانا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضری

فرماتے تھے حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ عرض کیا نقشبندی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ اصلاح کے لیے حاضر ہُوا ہوں۔ ان کی خدمت، خط و کتابت اور آمد و رفت بیس پچیس سال تک حاصل رہی۔ سلسلہ چشتیہ میں خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے مُلاقات

پہلے سفرِ حج میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے مکہ شریف میں سورۃ بقرہ کی تفسیر پڑھی اور اُن کے علاوہ دیگر اکابر حضرت مولانا غلام حسن گمرسے سہاگ والوں کی خدمت میں حاضری اور اکتسابِ روحانی سے بھی مشرف ہُوئے۔ حضرت گمرسے سہاگ والے بہت بڑی نقشبندی بزرگ تھے اور خواجہ محمد عثمانی موسےٰ زئی شریف والوں کے خلیفہ تھے انہوں نے فرمایا۔ مولانا! آپ لنگر کھولیں۔ میں نے عرض کیا میں تو غریب آدمی ہوں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ تو کریم ہیں۔ اُن کے فرمان کی تعمیل کی۔ آپ کی دُعاؤں کے صدقے کبھی مالی پریشانی نہیں آئی۔

حج کے اسفار

آپ نے سات مرتبہ حج بیت اللہ ادا کیا اور ایک عمرہ کیا۔ ان اسفار میں مدینۃ المنورہ اور مکۃ المکرمہ بہت سے اکابر سے مُلاقاتیں ہوئیں۔ مولانا محمد زکریا مدظلہٗ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا عبدالغفور مدنیؒ نے دعوتیں دیں اور دیگر نوازشات بھی فرمائیں۔ مدینہ منورہ میں آپ کے پیر بھائی مولانا عبدالغفور مدنی کے پاس حضرت بہلوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔ حضرت مدنی کی خدمت میں بنگال کے تقریباً تیس کے قریب علماء حاضر تھے۔ قرآن مجید کی اس آیت اذ قال اللہ یاعیسیٰ انی متوفیک ورافعک میں اشکال تھا۔ مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کو فرمایا اس اشکال کو آپ رفع

گئیں۔ آپ نے ایک گھنٹہ آیت مذکورہ کی تفسیر ایسی شرح و بسط سے فرمائی کہ علماء دنگ رہ گئے۔ پھر علماء سے پوچھا اب اگر کوئی اشکال ہو تو بتائیں۔ سب علماء مطمئن ہو گئے۔ اس کے بعد تمام علماء حرم نبوی میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر تصوّف کی تقریریں سنتے رہے۔

اولاد آپ کے تین صاحبزادے اور چار لڑکیاں ہیں۔ بڑے صاحب زادے کو حضرت عبداللہ درخواستی مدظلہٗ نے دستارِ جانشینی پہنائی۔ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب مخزن العلوم خان پور سے فارغ التحصیل ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عادات وخصائل اخلاق کردار کے عین مثل ہیں۔ دوسرے صاحب زادے حافظ محمد ہاشم صاحب ہیں۔ تیسرے صاحب زادے مولانا حاجی عزیز احمد صاحب ہیں۔ خیر المدارس ملتان کے فارغ التحصیل ہیں۔ چار لڑکیاں سب حافظِ قرآن ہیں اور تدریس قرآن کی خدمت سرانجام دے رہی ہیں۔

تصانیف علم تفسیر: گیارہ پارہ قرآن حکیم کی تفسیر تحریر فرمائی جو غیر مطبوعہ ہے:
(۲) فوائد القرآن۔ اصلاحات القرآن۔

(۳) تفسیر سورۃ فاتحہ: جو فارسی میں تھی اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے۔

(۴) علم حدیث کی المستدلات حنفیۃ: مدارس عربیہ میں مشکوٰۃ شریف سے قبل پڑھائی جاتی ہے نہایت مفید ہے۔ افسوس کہ جلد دوم ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

(۵) خیر الاذکار: جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات دلکش پیرائے میں تحریر فرمائے۔

(۶) عمدۃ الاذکار علاج قلوب الابرار: آپ کی یہ کتاب فن تصوّف میں نہایت جامع اور مشہور کتاب ہے۔

اور دیگر رسائل تصوّف۔ طب روحانی۔ الوفا بعہد الاولیاء۔ تحفۃ الفقیر[۹]۔ مہمات تصوّف[۱۰]۔ معارف السلوک[۱۱]۔ التصوّف فی حقیقۃ البیعۃ والتصوّف[۱۲]۔ انکشاف الاحوال والاوہام[۱۳]۔ محاسبۃ الاعمال[۱۴]۔ قوانین تعلیم وتربیت[۱۵]۔ ترک المنکرات[۱۶]۔ مکائد الشیطان[۱۷]۔ تصوّف اہل صفا[۱۸]۔ ہمزات الشیاطین[۱۹]۔ محاکمہ دعا بعد نماز جنازہ[۲۰]۔ تصفیۃ الاعمال[۲۱]۔ کتاب التعویذات[۲۲]۔ اور آداب الشیخ والمرید[۲۳]۔

اور اسی طرح کے چھوٹے بڑے تصوّف واخلاق کے رسائل اور عقائد و اصول تصوّف کے چارٹ تحریر فرمائے۔ اسی طرح بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف اور مسلم شریف پر مشکل مقامات پر طویل حاشیے پر تحریر فرمائے۔

آپ کا فیض پاکستان میں اندرونِ ملک سندھ، پنجاب، بلوچستان اور صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں اور ہندوستان میں ریاست انبالہ، آزاد کشمیر، ریاست گلگت اور مشرقی پاکستان تک پہنچا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجاتِ عالیہ کو بلند فرما دے اور ترقی حسنات کا ذریعہ بنا دے۔ آخری دنوں میں ضعیفی اور امراض کی کش مکش میں اپنے بقیہ لمحات گذار کر ۸۵ سال کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی کو (ہزاروں سوگواروں کو داغِ مفارقت دے کر) جا ملے۔

جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ دُنیا سے رُخصت ہوئے تو روح قفسِ عنصری سے پرواز کرنے سے پہلے قلب اور زبان پر اسم ذات کا ذکر جاری ہُوا۔ جب جان جانِ آفرین کو سُپرد کی تو ہزاروں عقیدت مندوں نے آخری زیارت کی تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے حضرتؒ وصالِ محبوب حقیقی حق تعالےٰ کی لقا اور دیدار کے لیے مُسکرا رہے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی مدظلہٗ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں چالیس ہزار سے زائد افراد تھے۔ اکثریت علماء، صلحاء، مشائخ صوفیا، طُلباء کی تھی۔

بقیہ: شرعی نظام

ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبيله وهو اعلم بالمهتدين۔ (سورۃ نحل)

"تو اللہ کی راہ کی طرف بلاتے رہو حکمت اور اچھے وعظ سے اور بحث کرو اُن سے اچھے طریقے پر۔ بے شک تیرا رب خُوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو اُس کی راہ سے گمراہ ہوئے اور وُہ خوب جانتا ہے سیدھے راستہ پر چلنے والوں کو۔"

تیسرا اصُول:

دعوت و ارشاد کا تیسرا اصول صبر ہے۔ اس میدان میں ہر قسم کی سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ قید و بند اور ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار رہنا پڑتا ہے۔ اور یہ اس ارشادِ باری تعالےٰ سے معلوم ہوتا ہے:

يا بنى اقم الصلوة وأمر بالمعروف وانه عن المنكر واصبر على ما اصابك ان ذلك من عزم الامور۔ (سورۃ لقمان)

(حضرت لقمانؑ اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں) "اے میرے بیٹے! نماز قائم کیا کرو اور بھلائی کی طرف دعوت دو اور بُرائی سے روکو۔ اور اس مصیبت پر جو تم کو پہنچے صبر کیا کرو۔ بے شک یہ تیری ہمت والا کام ہے۔"

وما علينا الا البلاغ

پروفیسر حسن عسکری صاحب کا الحق کو خراجِ تحسین

مشہور نقاد و ادیب جناب پروفیسر حسن عسکری صاحب مرحوم کے وفات پر ایک تعزیتی پروگرام میں جو ٹیلی ویژن کے قومی پروگرام میں پورے ملک میں نشر ہوا۔ ملک کے بہت سے اہلِ دانش و اربابِ قلم جمع ہو کر مرحوم کی ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے اپنے اپنے حالات کا اظہار فرما رہے تھے۔ انہیں جناب ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور و صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی نے ذکر کیا کہ حسن عسکری صاحب ایسے مستعد اور چاق و چوبند لکھنے والے تھے۔ کہ گویا ہر وقت لکھنے کیلئے آمادہ رہتے تھے۔ ایک دن ایک نجی مجلس میں جبکہ عبادت بریلوی صاحب کے پاس وہ بیٹھے تھے ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب نے ان سے کہا کہ آپ آج کل ادبی موضوعات پر کچھ نہیں لکھتے حالانکہ پہلے ملک کے مختلف ماہناموں میں لکھتے رہتے تھے۔ اس پر حسن عسکری صاحب نے فرمایا کہ اب نثر لکھنے یا پڑھنے کے مواقع بہت کم ہیں اور یہ کہ لوگوں میں اعلیٰ ادبی ذوق و شوق مفقود ہو چکا ہے اس لئے کہ موجودہ دور میں ڈائجسٹوں اور سستے ادب کے پرچوں کی بھرمار ہے۔ خالص فنی ادبی تحریروں کو نہ پڑھا جاتا ہے اور نہ ہی ان کی اشاعت ہوتی ہے۔ پھر اسی مجلس میں تھوڑی دیر خاموشی کے بعد فرمایا کہ آپ نے الحق ایک ماہنامہ اکوڑہ خٹک سے نکلتا ہے کبھی پڑھا ہے۔ اس پر عبادت بریلوی صاحب نے کہا کہ جی نہیں میں نے تو اس پرچے کو نہیں دیکھا ہے۔

اس پر پروفیسر حسن عسکری صاحب نے کہا اکوڑہ خٹک سے ایک ادبی مذہبی پرچہ نکلتا ہے۔ جو حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے صاحبزادے مولوی سمیع الحق صاحب نکالتے ہیں۔

اس میں اعلیٰ ادبی نثر پڑھنے کو مل جاتی ہے۔ ان تحریروں کا وہی انداز ہوتا ہے۔ کہ جو اب سے تیس سال پہلے مختلف معیاری ادبی پرچوں میں شائع ہوتی تھیں۔ چنانچہ عبادت بریلوی صاحب یہاں فرماتے ہیں۔ کہ انہوں نے حسن عسکری صاحب کے کہنے پر پرچہ پڑھنا شروع کیا۔ اور انھوں نے پروفیسر حسن عسکری صاحب کے خیال کے عین مطابق پایا۔ واضح رہے کہ اس تعزیتی مذاکرہ میں جناب فیض احمد فیض صاحب جناب احمد ندیم قاسمی صاحب پروفیسر کرار حسین صاحب جیسے فضلاء ادب بھی موجود تھے۔ اردو ادب کے ایسے اساطین کا الحق کو اتنا بھرپور اجتماعی خراجِ تحسین پر میں مدیر الحق اور تمام قارئین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

(حکیم سید مشرف حسین حسنی ۔ کراچی)

قارئین کے خطوط

نظامِ مصطفیٰؐ اور نظامِ فاروق اعظمؓ روزنامہ "جسارت" کراچی مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۹۷۸ء میں این ڈی پی کے ایک رکن سید ذاکر مشہدی کا ایک بیان شائع ہوا ہے۔ جو اہلسنت کے لئے دلآزار ہے۔ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے نظامِ خلافت کی مخالفت کی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ نظامِ مصطفیٰؐ کی کھلی ہوئی مخالفت ہے۔ مشہدی صاحب نے اعتراف کرلیا کہ درحقیقت شیعہ ہی اسلامی نظام کے قیام کے اصل مخالف اور اس میں سدراہ ہیں۔ نظامِ مصطفےٰؐ اور نظامِ فاروق اعظمؓ درحقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں حضرت عمرؓ کا نظام نظامِ مصطفیٰؐ کی عملی تفسیر اور اس کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اگر نظامِ مصطفیٰؐ کی کوئی دوسری تفسیر کی جاتی ہے تو وہ غلط اور ہمارے لئے ناقابلِ قبول ہے۔ اہلسنت کا فریضہ ہے۔ کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت کا نظام قائم کرنے کی کوشش کریں۔ این۔ ڈی۔ پی کو بھی سوچنا چاہیئے کہ شیعوں کو ساتھ لے کر اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش ضدین کو جمع کرنے کی سعی لاحاصل تو نہیں ہے۔

(محمد اسحاق صدیقی۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن۔ کراچی ۵)

مولانا بنوریؒ کی تاریخ میلاد و وصال

تاریخ المیلاد

تَطِیبُ بَعدَ هُبُوبِهِ أَخبَارُهُ — یَفنیٰ لُجَّتُهُ وَتَبقیٰ مِنهُ آثَارُهُ

۱۳۲۶ھ — ۱۹۰۸ء

تاریخ الوصال

فَقِیهٌ، اِمَامٌ، کَشَّافٌ، مُحَدِّثٌ وَلَقِیاً — حَکِیمٌ یُوسُفُ بَنُورِی تِلمِیذُ اَنوَرشَاہ

۱۹۷۷ء — ۱۳۹۷ھ

(حافظ محمد یوسف خان مدرس جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور)

تعلیمی نصاب کمیٹی میں اہلسنت کے معتمد افراد کی نمائندگی سوادِ اعظم اہل سنت نے موجودہ شیعہ سنی نصاب کمیٹی پہ عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب غلام اسحاق صاحب سیکرٹری جنرل انچیف محمد علی خان وفاقی مشیر تعلیم سے مطالبہ کیا ہے۔ کہ اس کمیٹی میں اہل سنت کیطرف سے حسب ذیل افراد کو شامل کیا جائے ـــــ قاضی مظہر حسین چکوال، مولانا عبدالستار تونسوی ملتان، مولانا محمد اسحاق سندیلوی کراچی، مولانا تقی عثمانی کراچی، مولانا سمیع الحق اکوڑہ خٹک، سید شیخان صابہ لاہور۔ کو شامل کیا جائے۔ تاکہ یہ حضرات اہلسنت کیطرف سے ترجمانی کر سکیں۔ (منجانب:۔ انجمن محبانِ صحابہ ڈیرہ اسماعیل خان، اسلامک سنی کونسل کراچی، لاہور خدام اہلسنت چکوال، مرکز تنظیم اہلسنت ملتان۔

مولانا عبدالمعز محمد امیر عالم کا انتقال مولانا عبدالمعز المعروف مولانا قاری حکیم محمد امیر عالم صاحب موضع کھولیاں داخلی کلاداں ہری پور ہزارہ کا ۵ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ کو ایک سو پانچ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، مرحوم پرہیزگار عالم فقیہ اور اس کے علاوہ بہترین طبیب بھی تھے۔ اکابر علماء برصغیر سے تعلق تھا۔ مرحوم کے صاحبزادگان میں جناب عبداللہ صاحب علوی حال فرسٹ سیکرٹری وزارت خارجہ پاکستان جدہ، محمد عبدالباری علوی پروفیسر گورنمنٹ کالج حویلیاں، قاری عبدالبصر صدر مدرس مظاہر العلوم گوالمنڈی لاہور ہیں۔ ادارۂ الحق تمام قارئین سے دعا کی اپیل کرتا ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل دارالعلوم حقانیہ کے ایک ہونہار اور قابل فخر فرزند۔ مولانا خلیل اللہ حقانی ساکن تحصیل بٹگرام ہزارہ کی والدہ محترمہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۷ء کو انتقال فرماگئیں، موصوفہ نہایت عابدہ زاہدہ خاتون تھیں مولانا خلیل اللہ نے تمام قارئین سے مرحومہ کیلئے دعائے مغفرت کی اپیل کی ہے۔

از جناب شفیق فاروقی صاحب
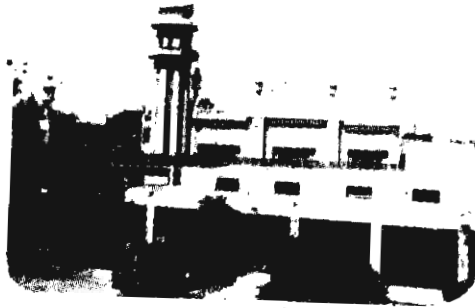
۱۱ دسمبر ۱۹۸۰ء جناب حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، کے صاحبزادہ مولانا انوار الحق صاحب مدرس دار العلوم حقانیہ سفر حج و زیارت سے واپس ہوئے۔ ریلوے اسٹیشن پر اساتذہ و طلبہ دار العلوم اور شہریوں نے بہت بڑی تعداد میں خیر مقدم کیا حضرت شیخ الحدیث مدظلہ بھی تشریف لاتے تھے۔ آپ نے تمام لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور دعا فرمائی مولانا سمیع الحق صاحب اور احقر استقبال کے لئے راولپنڈی گئے تھے۔

۱۴ دسمبر ۱۹۸۰ء جناب مدیر الحق مولانا سمیع الحق صاحب کیساتھ ہم لوگ اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل صاحب کی زیارت و عیادت کیلئے ان کے گاؤں سیری سخاکوٹ گئے حضرت نے باصرار دوپہر کا کھانا کھلایا۔ اور دو ڈھائی گھنٹہ تک مجلس رہی واپسی میں آپ جناب خان عبدالولی خان کو خوش آمدید کہنے ان کے گاؤں ولی باغ گئے جو حال ہی میں طویل قید و بند سے رہا ہو کر گھر پہنچے ہیں محترم ولی خان حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے حالات معلوم کرتے رہے اور بہت جلد ان کی ملاقات کیلئے اکوڑہ آنے کا عزم ظاہر کیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ آج ملک ایک بہت بڑی لعنت سے نجات پا چکا۔

۱۶ دسمبر ۱۹۸۰ء جناب خان غلام فاروق خان سابق ایم این اے و وفاقی وزیر و گورنر مشرقی پاکستان دار العلوم تشریف لائے حضرت شیخ الحدیث کی عیادت کی آپ عموماً تشریف لاتے رہتے ہیں۔

۱۷ دسمبر ۱۹۸۰ء حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، کے ابتدائی زمانہ طالب العلمی کے ایک رفیق شیخ شرف دین کا انتقال ہوا مولانا سمیع الحق صاحب نے جہانگیرہ میں ان کا نماز جنازہ پڑھایا اور تدفین کے بعد تقریر کی حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنی طالب العلمی کا آغاز ان کے گاؤں اکھوڑی کیمبلپور سے فرمایا تھا شیخ صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے اور ان کے گھر قیام تھا۔

۲۱ دسمبر ۱۹۸۰ء تحریک استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان صاحب اپنے سفر سرحد کے دوران اچانک حضرت شیخ الحدیث کی عیادت اور ملاقات کے لئے تشریف لائے مولانا سمیع الحق نے آپ کو دار العلوم کے تمام شعبوں عمارات درسگاہوں اور دفتر الحق کا معائنہ کرایا قومی اتحاد سے علیحدگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا سمیع الحق صاحب نے ان سے کہا کہ یہ دار العلوم کے طالب علم اور علماء آپ سے ناراض ہیں کہ آپ نے اتحاد کے جہاز کو فضا میں چھوڑ کر علیحدگی اختیار کی آپ نے

فرمایا کہ نہیں ہمارا منزل مقصود ایک ہے اور ہم اسلامی نظام کے سلسلہ میں جمعیۃ العلماء اسلام اور علماء کے ساتھ رہیں گے مگر بوجوہ ہمیں ایسا کرنا پڑا آپ نے دارالعلوم کے بارہ میں نہایت اچھے تاثرات ظاہر کئے۔ اصغر خان صاحب معہ رفقاء دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ساتھ کچھ دیر رہے آپ دارالعلوم کے حالات علمی اور اسلامی امور اور سارے عالم اسلام کے لئے ایک رویت سے عید وغیرہ پر حضرت سے گفتگو کرتے رہے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ آپ ایک عہد ساز شخصیت اور تاریخ ہیں۔ ہم ہمیشہ آپ کی رہنمائی کے محتاج رہیں گے مولانا سمیع الحق نے مؤتمر المصنفین کے مطبوعات کا سیٹ بھی آپ کو پیش کیا ایئر مارشل نے اپنے تحریری تاثرات بھی قلمبند کئے۔

—— دارالعلوم کی شایان شان لائبریری کی تعمیر آغاز ہوا۔ جسکی دارالعلوم کو بے حد ضرورت ہے۔ اس پر دو لاکھ کے مصارف کا تخمینہ ہے اور بڑے ہال کے علاوہ وسیع گیلریوں دارالمطالعہ، استقبالیہ کمرہ اور دارالتصنیف والتحقیق پر مشتمل ہوگا دارالعلوم کے مغربی زمین کی حدبندی کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔

۲۷ دسمبر ۱۹۷۸ء شعبہ تعلیم القرآن دارالعلوم (مڈل سکول) کے دیرینہ استاذ ماسٹر مولوی غلام محمد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ نماز حضرت شیخ الحدیث صاحب نے پڑھائی۔

۳۰ دسمبر ۱۹۷۸ء دارالعلوم کے سابق مدرس مولانا محمد فیاض صاحب فاضل دیوبند کا پشاور میں انتقال ہوگیا دارالعلوم سے جنازہ میں مولانا سمیع الحق، مولانا سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام مولانا انوار الحق اور دیگر کئی لوگوں نے شرکت کی۔ جنازہ اٹھنے سے قبل حاضرین کی اصرار پر مولانا سمیع الحق صاحب نے علماء کی رحلت اور مولانا کی وفات پر تقریر کی مرحوم دارالعلوم کے مولانا شیر علی شاہ صاحب حال جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے بہنوئی بھی تھے۔ مرحوم نے چھوٹے اور معصوم بچے چھوڑے۔

—— صفر کے پہلے ہفتہ میں دارالعلوم کے سہ ماہی امتحانات شروع ہوئے جو ایک ہفتہ تک جاری رہے۔ تحریری اور تقریری امتحانات کا سارا کام اساتذہ دارالعلوم کے نگرانی میں ہوا۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، نے ضعف بصارت اور بیماری کے باوجود ترمذی شریف کا درس کتاب الحج سے شروع فرمایا مگر درس پندرہ دن کے بعد علالت بڑھ جانے سے درس دینے کا سلسلہ پھر رک گیا۔ تمام حضرات سے شفاء کاملہ کی دعا کی اپیل کی ہے۔

۱۰ جنوری ۱۹۷۹ء حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، مدت سے امراض کے علاوہ بینائی کے عارضہ میں مبتلا ہیں جو دن بدن کم ہوتی جارہی ہے۔ آپ کو اپنے امراض قلب سے زیادہ ہر وقت درس حدیث کے ناغہ ہونے کا فکر رہتا ہے

اس لئے بینائی کے بارہ میں بے حد پریشانی ہے۔ بعض احباب کے مشورہ سے لاہور کا سفر ہوا۔ اور جناب ڈاکٹر سر حسن یقین صاحب انچارج داتا دربار ہسپتال اور گنگا رام ہسپتال کے ماہر امراض چشم ڈاکٹر میز الحق صاحب نے نہایت محبت و عقیدت کے ساتھ آنکھوں کا تفصیلی معائنہ کیا مگر افاقہ کے سلسلہ میں تسلی بخش رائے ظاہر نہیں کی۔ تیسرے دن لاہور سے واپسی ہوئی۔ لاہور میں آپ نے مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ کی عیادت کی جو برائے علاج یہاں موجود تھے۔ اس وقت مولانا عبید اللہ انور صاحب اور مولانا محمد اجمل صاحب بھی موجود تھے۔ اس سفر میں جناب مدیر الحق کے علاوہ مولانا انوار الحق صاحب میاں حضرات شاہ صاحب اور احقر بھی ساتھ رہے لاہور میں حسب معمول آپ کا قیام حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کے دولت خانہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں رہا اور آپ کے صاحبزادہ مولانا فضل الرحیم صاحب نے ہر طرح خاطر مدارات کی سعی کی۔

۲۵ جنوری ۷۸ء دار العلوم حقانیہ کے مجلس شوریٰ کے ممتاز رکن جناب عبد الخالق خلیق صاحب کا پشاور میں انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی نمائندگی جنازہ میں مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمائی اور دار العلوم میں مرحوم کیلئے دعائے مغفرت کی گئی۔

۲۸ دسمبر ۷۷ء ریڈیو پاکستان پشاور نے دار العلوم کے حالات پر ریڈیو فیچر بنایا اور یہاں آکر کئی شعبوں کے حالات ریکارڈ کئے حضرت شیخ الحدیث سے انٹرویو ریکارڈ کیا اور دار العلوم کے معاملات کے علاوہ نظام تعلیم مدارس عربیہ نظام اور کئی اہم امور پر مولانا سمیع الحق صاحب کی گفتگو ریکارڈ کی یہ انٹرویو اور پروگرام اسی ہفتہ رات کو پشاور ریڈیو سے تقریباً پون گھنٹہ کے پروگرام میں نشر ہوا۔

۹ فروری ۷۸ء مدیر البلاغ کراچی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب تشریف لائے اور دو تین دن تک مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق کے ساتھ رہے اس دوران آپ نے مولانا مدظلہ کی مسجد میں خطاب جمعہ بھی فرمایا اور دار العلوم کے طلبہ سے بھی مختصر خطاب کیا۔

۲۰ فروری ۷۸ء جناب مولانا محمد فیاض صاحب مرحوم (جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے) کی اہلیہ محترمہ (جو حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب سابق مدرس دار العلوم) کی ہمشیرہ تھیں کا بھی اچانک انتقال ہو گیا معصوم بچے والد کے بعد بہت جلد اپنی والدہ سے بھی محروم ہو گئے خاندان کیلئے دوہرہ صدمہ ناقابل برداشت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل عطا فرمادے ■■■

تبصرۂ کتب

- جناب اختر راہی
- مولانا حسن جان

علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ

از ڈاکٹر محمد اسحاق، مترجم شاہد حسین رزاقی۔ ناشر ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور۔ صفحات ۳۰۸۔ قیمت ۔/۱۶ روپے۔

ڈاکٹر محمد اسحاق پروفیسر عربی و اسلامیات ڈھاکہ یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کے لیے: "CONTRIBUTION OF INDIA TO THE HADITH LITERATURE" کے نام سے گرانقدر مقالہ لکھا جس میں برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کی ترقی و اشاعت اور علمائے ہند کی خدمات پر محنت و کاوش سے معلومات یکجا کی گئی تھیں۔ کتاب کا دائرۂ بحث ابتدائے عہد اسلامی سے لے کر دارالعلوم دیوبند کے قیام تک پھیلا ہوا ہے۔

عربوں کے ورود سندھ کے ساتھ علم حدیث بھی یہاں آگیا۔ ابتدائی اسلامی دور میں دیبل اور منصورہ وغیرہ علم حدیث کے مرکز تھے۔ عرب ممالک میں امام اوزاعی، ابو معشر نجیح سندھی اور رجاء سندھی جیسے نامور ہندی الاصل محدثین نے اس علم کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ سلاطین غزنوی کے عہد میں لاہور علم حدیث کا مرکز بنا۔ اور حسن صغانی جیسے محدث وقت پیدا ہوئے۔ اسلامی حکومت کی وسعت کے ساتھ ساتھ دہلی، مالوہ، خاندیش جھانسی، کالپی، آگرہ، لکھنو، جونپور، بہار اور بنگال میں علم حدیث کی اشاعت و تعلیم کے مراکز قائم ہو گئے۔ ان مراکز کی خدمات کا بنظر غائر جائزہ لیا گیا ہے۔

یہ اہم کتاب ۱۹۵۵ء میں پہلی بار لاہور سے شائع ہوئی اور اس کے جلد بعد نایاب ہو گئی۔ اس کا حلقہ اثر صرف انگریزی پڑھے لکھے طبقہ تک محدود تھا۔ اب اردو میں منتقل ہونے سے ہمارے علمار کرام اور عربی مدارس کے طلبار بھی اس سے بخوبی استفادہ کر سکیں گے۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے رفیق شاہد حسین رزاقی صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کر کے ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔

مؤلف موصوف نے دارالعلوم دیوبند کے قیام سے اب تک اس سلسلہ میں جو کام ہوا ہے اسے چھوڑ دیا ہے کیوں کہ "اس سے ہم سب بخوبی واقف ہیں"، لیکن آج ۲۲ سال بعد یہ رائے درست معلوم نہیں ہوتی۔ ضروری ہے کہ اسی نہج پر قیام دارالعلوم دیوبند سے آج تک علمار کی حدیثی خدمات کا بھی جائزہ لیا جائے اور اگر ادارۂ ثقافت اسلامیہ یہ کام بھی انجام دے دے تو ترجمہ کے بعد میدان تحقیق میں بھی اس کی ایک اہم خدمت ہو گی۔

کتاب لیتھو پر طبع ہوئی ہے جو ایسی علمی کتاب کے شایان شان نہیں۔

(اختر راہی)

فقہائے ہند۔ جلد چہارم (حصّہ اول) | مؤلف محمد اسحاق بھٹی ـــــ ناشر ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور۔ صفحات ۲۸۰۔ قیمت ۱۶/- روپے ٭

تذکرۂ رجال، مسلمان اہلِ قلم کا محبوب موضوع رہا ہے اور اس شعبۂ علم میں مسلمانوں کی روایت کا مقابلہ کوئی دوسری قوم نہیں کر سکتی۔ برّصغیر کے بعض مورّخین نے بادشاہوں کی تاریخیں لکھتے ہوئے بھی اپنے دَور کے اہلِ فن اور علماء کے احوال قلمبند کئے ہیں۔ ابوالفضل اور مُلّا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتابوں کا ایک حصّہ اہلِ علم و فکر کے لیے سوانح حیات کے لیے مختص کیا ہے۔ اس نے علماء، صوفیاء، شعراء اور امراء کے کئی تذکرے لکھے گئے ہیں۔ ماضی قریب میں مولانا سیّد عبدالحئی مرحوم (والد ماجد مولانا ابوالحسن علی ندوی) نے آٹھ جلدوں میں "نزہت الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر" کے نام سے برّصغیر کے علماء و صوفیاء کا ایک جامع تذکرہ ترتیب دیا ہے۔ ان تذکروں کے باوجود ایسی کوئی کتاب نہیں تھی جس میں برّصغیر کے تمام فقہائے کرام کے احوال یک جا مل سکیں۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے تاریخ و تذکرہ کا موجود ذخیرہ کھنگال کر "فقہائے ہند" ترتیب دی ہے اور اس سلسلہ کی چوتھی جلد کا پہلا حصہ پیشِ نظر ہے۔

اس جلد میں گیارہویں صدی ہجری کے فقہاء کا تذکرہ مقصود ہے۔ یہ دَور نہایت مردم خیز تھا۔ اگرچہ اکبر برسرِ اقتدار تھا اور اُس کی مذہبی سرگرمیاں دینِ اسلام کے خلاف تھیں۔ لیکن اس دور میں دینِ اسلام کے علمبردار کمزور دکھائی نہیں دیتے۔ پیشِ نظر حصّہ اول میں ۱۲۶ فقہائے کرام کے حالات الفبائی ترتیب سے پیش کئے گئے ہیں۔

فاضل مؤلف نے بعض تذکرہ نگاروں کی اغلاط بھی درست کی ہیں۔ مثال کے طور پر تذکرہ علمائے ہند (تالیف مولوی رحمان علی) میں ملّا جوہر نانت کشمیری کو "جوہر ناتھ" لکھا گیا ہے حالانکہ "نانت" ایک کشمیری ذات ہے اور "جوہر نانت" ہی درست ہے۔ (ص ۱۵۱ - ۱۵۲)

کتاب خوبصورت انداز میں شائع ہوئی ہے۔ اشاریہ کی کمی پائی جاتی ہے۔ شاید دوسرے حصّہ میں یہ کمی پوری کر دی جائے گی۔

(اختر راہی)

حکیم فرزانہ | مؤلف: ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔ ناشر: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور۔ صفحات: ۲۰۷۔ قیمت: ۱۵/- روپے ٭

شیخ محمد اکرام مرحوم عہدِ حاضر کے بلند پایہ نقّاد اور مؤرخ تھے۔ اُن کی تالیفات سے جزوی اختلافات کے باوجود اُن کی بالغ نظری سے انکار نہیں۔ انہوں نے شبلی نعمانی اور غالب پر تنقیدی کام کیا ہے۔ زیرِ نظر

تالیف "حکیم فرزانہ" غالب کی شخصیت اور فکر و فن پر ایک اہم کتاب ہے جو پہلی بار ۱۹۵۷ء میں چھپی تھی۔ اب احمد ندیم قاسمی صاحب کے "پیش کلام" کے ساتھ دوسری بار منصۂ شہود پر آئی ہے اور انہوں نے اسے غالبیات کے دورِ جدید کا منشور قرار دیا ہے۔

(اختر راہی)

دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

مصنف : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ۔
ناشر : اے کے - ۳ ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸۔

صفحات ۳۰۴۔ قیمت مجلد، دیدہ زیب سرورق۔ قیمت: اٹھارہ روپے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی تصنیف و تالیف اور دعوتی کارناموں کی بنا پر پاک و ہند کے علاوہ دنیائے عرب میں متعارف اور مقبول ہیں۔ ان کی تصنیفات اخلاص، للہیت اور دینی حمیت سے بھرپور ہوتی ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے خصوصی ممبر ہیں۔ رابطہ کی طرف سے ایک وفد میں چھ اسلامی عرب ممالک کے دورے پر گئے۔ اس کتاب میں ان چھ ممالک افغانستان، ایران، لبنان، شام، عراق اور مشرق اردن کے معلوماتی اور دعوتی دورہ کی مفصل روئداد ہے۔ جس میں ان ممالک کی دینی، فکری، سیاسی اور اقتصادی صورت حال کی سچی تصویر اور وہاں کی دینی و اسلامی تحریکات، متضاد عوامل و اثرات اور ذہنی و روحانی کش مکش کا دیانت دارانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ جس کا مطالعہ ایک مؤرخ سیاح کے علاوہ ہر دینی اور اسلامی فکر والے کے لیے ضروری ہے۔

(مولانا محمد حسن جان)

مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت

مصنف : شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ۔
ناشر : مکتبہ عثمانیہ ہرنولی ضلع میانوالی۔

صفحات : ۶۶۔ قیمت : چار روپے۔

مودودی صاحب تمام اہلِ سنت سے بعض مسائل میں اپنے اجتہادی اندازِ فکر کی وجہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ مودودی صاحب سے اہل سنت والجماعت کے اختلافات فروعی نہیں۔ بلکہ اصولی ہیں۔ اور خصوصاً جماعت اسلامی کے دستور کی دفعہ نمبر ۶ پر کافی اعتراضات ہیں۔ پیش لفظ قاضی مظہر حسین صاحب امیر تحریک خدام اہلسنت پنجاب اور مقدمہ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا لکھا ہوا ہے۔

(مولانا محمد حسن جان)
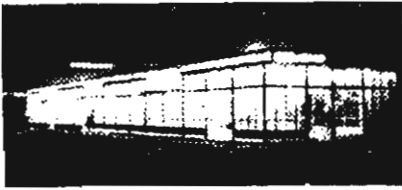
خواجہ گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ
شاہراہ پاکستان ——— حسن ابدال

مختلف رنگوں اور ڈیزائنوں میں پاکستان کے علاوہ
دنیا کے دیگر ۲۵ سے زائد ملکوں میں بھی دستیاب ہے

ایگل ایک عالمگیر قلم

مینوفیکچررز
آزاد فرزند اینڈ کمپنی لمیٹڈ

سول ایجنٹ
سلطان شاہد اینڈ کمپنی

پنجاب ڈرگ ہاؤس نکلسن روڈ لاہور

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

بلند ہمّت
جَوانوں کی پسند
اُجَالا ڈینِم
اور
صَدف شرٹِنگ

مضبوط و دیرپا اُجالا واش اینڈ ویَر ڈینِم
خوشنما رنگوں میں لیجیے۔
صَدف شرٹِنگ بہت سے پکّے رنگوں میں
دستیاب ہے۔
زندہ دل جوانوں کا ذوقِ زیبائش،
آج جنکے دَم سے رونق اور چہل پہل ہے۔

MADE OF
Toray
TETORON
POLYESTER FIBER
محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

MFTM-5-77
Asiatic